راولپنڈی-پاکستان

ستمبر ۲۰۱۱ء

قرآنی ترجمے کی آڑ میں

دین اللہ کی مادیت سازی

از

اورنگزیب یوسفزئی

-.-.-.-.-

aurangzaib.yousufzai@gmail.com

فہرست مشتملات

اعترافِ حقیقت صفحہ	۳
موضوع کی تعیین	9
پسِ منظر	14
مادہ پرستی پر مبنی قرآنی تعبیرات	26
"آستانہ" کے مسلمہ عقائد	31
عقیدہ نمبر ۱- قرآن انسانی حقوق کی کتاب	33
عقیدہ نمبر ۲- قرآن فطرت کے اسرار / وحیِ الٰہی نہیں	41
عقیدہ نمبر۳۔ قرآن حیات بعد الممات کا ذکر نہیں کرتا	50
عقیدہ نمبر۴۔ نبی صرف صفات کا نام / شخصیت نہیں	61
عقیدہ نمبر۵۔ "الغیب" کا معنی "قدرت کے پیمانے "	67
عقیدہ نمبر۶۔ قرآن میں "موت" کا ذکر	70
عقیدہ نمبر۷۔ قرآن میں زنا کے معنی	76
عقیدہ نمبر۸۔ قرآن کی رو سے تاریخ کی کوئی حقیقت نہیں	79
عقیدہ نمبر۹۔ قرآن میں " محیض" کے معنی	86
عقیدہ نمبر ۱۰۔ قرآن کا کوئی بیان ماورائے فہم نہیں ہو سکتا	90
اختتامیہ	95

اعترافِ حقیقت

کتابِ ھذا کے عنوان سے جو پہلا تاثر قاری کے ذہن میں پیدا ہو گا وہ حیرت پر مبنی یہ سوال ہو گا: دین اللہ کی مادیت سازی -اور وہ بھی قرآن سے؟... ایک الہامی جریدہ، اور اس کے نام نہاد " ترجمے" کے ذریعے مادیت کا پرچار.... اور "روحانیت" کا انکار؟.... خدائی ڈسپلن سے غیر خدائی فلسفہ کا استخراج؟ .... اللہ کی کتاب سے دہریت کی منظم تبلیغ؟... کیسے؟---- ناممکن۔

لیکن قارئین، آج ناممکن کو ممکن بنا دینے کا دور ھے۔ انسان کے اختیار و ارادے کی آزادی اتنی مطلق ھے کہ اسے کسی بھی فریب کار نصب العین کے تعین اور اس کی تکمیل کی مساعی سے نہیں روکا جا سکتا۔ اسے کسی بھی بڑی ترغیب کے ذریعے جرائم پر یا دیگر منفی عزائم پر آمادہ کیا جا سکتا ھے۔ اور اس کا ثبوت اس شکل میں ہمارے سامنے ھے کہ انسان جیسی برتر مخلوق جو بلند دائمی اقدار سے روشناس اور نفسِ شعوری کی حامل ھے، اسے مبلغ حیوانی حیات کے تقاضوں اور جبلی ضروریات کی تسکین جیسی گھٹیا سطح پر گرا دینے کا ناقابلِ رشک منصوبہ ہمارے درمیان موجود ایک نام نہاد قرآنی جماعت نے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ھے۔ ظاہر ھے کہ ایسا کرنا دینی تعلیمات کی اصل صورت کو بگاڑے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے یہ منصوبہ وحی کے الہامی ماخذ اور انبیاء کے شخصی وجود سے انکار کرتا ھے۔ اللہ کے وجود کو ایک واہمہ قرار دیتا ھے۔ حیات بعد الموت سے انکاری ھے۔ اسلامی معاشرے میں آزاد سیکس کی وکالت کرتا ھے۔ انسانی حقوق کی فریب کارانہ مغربی اصطلاح کا پرچار کرتا اور ہر اُس آفاقی قدر و حقیقت سے انکار پر اصرار کرتا ھے جو مادی شکل میں سامنے نہ آ سکتی ہو، یا اس کا مادی ثبوت نہ دیا جا سکتا ہو۔ اور یہ سب کچھ وہ قرآنی تراجم کو اس شکل میں مسخ کرتے ہوئے بروئے کار لانا چاہتا ھے کہ قرآن کی بیشتر ممکنہ ترجمانی مغربی مادیت پرستی کے فلسفے کا لباس پہنا کر کر دی جائے۔

یہ تمام ماجرا آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے ترتیب سے پیشِ خدمت ھے۔ یہ ایک بڑے فتنے سے پیش آگاہ کرنے کا فریضہ ھے جو حتی المقدور ادا کر دیا گیا ھے۔ اس التماس کے ساتھ کہ اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں اس جماعت کی اصل شناخت کی پہچان کرا دی جائے اور اس موضوع پر موثر انداز میں قلم اٹھایا جائے تاکہ فتنے کا سدباب کیا جا سکے۔

مادیت (materialism) کا ابو الآباء یونانی فلسفی دیمقراطیس (Democritus 470 BC) ھے۔ بعد ازاں اس مکتبِ فکر کے بہت سے فلسفی گزرے ھیں اور اپنے اپنے انداز سے اس کی تعریف کر گئے ھیں۔ فلسفہِ مادیت کا خلاصہ یہ ھے کہ :-

۱۔ مادیت کسی فوق الفطرت قوت کو تسلیم نہیں کرتی۔ دنیا میں جو کچھ ظہور پزیر ہوتا ھے وہ قوائے فطرت کے امتزاج کا نتیجہ ھے۔
۲۔ کسی ایک معین وقت پر کائنات کی جو کیفیت ہوتی ھے وہ اس کیفیت سے پہلے کی قوتوں کے امتزاج اور تقسیم کا لازمی نتیجہ ہوتی ھے۔ اس کا لازمی نتیجہ ھے کہ کائنات میں نہ کوئی نیا عنصر یا نئی قوت وجود میں آتی ھے اور نہ ہی کوئی عنصر یا قوت خارج سے کائنات میں داخل ہوتی ھے۔ ہم جسے ایک نئے عنصر کا نام دیتے ھیں وہ موجودہ قوتوں کی ایک نئی ترتیب ہوتی ھے ۔ مادیت کے اس دعویٰ کو جبریت (Determinism) یا میکانیت (Mechanism) یا میکانکی جبریت (Mechanistic Determinism) کہتے ھیں۔
۳۔ تیسرے یہ کا کائنات میں جو کچھ موجود ھے وہ اپنی اصل کے اعتبار سے مادہ ہی ھے۔ اسکے ماوراء اور کچھ نہیں۔

اس کتاب میں زیرِ بحث اس مخصوص "قرآنی جماعت" کے تراجم انہی تینوں نکات کے گرد گھومتے ھیں۔
سائنس کے بنیادی نظریات میں جتنی بھی تبدیلیاں آئیں یہ حقیقت بر قرار رہی کہ مغربی افکار کی مادیت گھٹنے کی بجائے بڑھتی گئی۔ پرانی سائنس اور عقلیت پرستی نے مذہب پر جو اعتراضات کیے تھے، ان کے رد کے باوجود نئی سائنس الہامی مذاہب کی صداقتوں سے انحراف کی راہ پر قائم رہی ھے۔ اب بھی مغرب کے فکر و نظر کا قافلہ بدستور مادہ پرستی اور خدا بیزاری کی راہ پر گامزن ھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فکری سمت اُس شدید ترین مذہبی جبر و بربریت کا عطا کردہ ورثہ ہے جسکا یوروپین اقوام نے صدیوں تک سامنا کیا ھے اور نتیجتاً مذہب کے خلاف ایک "انتقامی سائیکولوجی" ان کی فطرت کا حصہ بن چکی ھے۔

علامہ اقبال نے محسوس کیا کہ مسلمان مغربی مادی تہذیب اور اس کے مظاہر سے مرعوب ھیں اس لیے مومنانہ ضرب سے اس کے تار و پود بکھیرے تاکہ مسلمانوں کے ذہنوں سے اس کا رعب ختم ہو۔ اقبال نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ یہ

تہذیب لبِ گور ھے اور اسے تباہی سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ تہذیبِ مادیت والحاد نے جن علوم وافکار کی اشاعت کی، اقبال نے ان کی بنیادوں پر تنقید کی اور بے اخلاقی کی پوری اٹھان کی مذمت کی۔ لینن کی زبان سے اقبال فرماتے ھیں:-

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت ——— پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس ——— کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم ——— حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت ——— احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

مادیت پرست اس غیر مادی حقیقت کو فراموش کر دینے کی ناکام کوشش میں مصروف رہتے ھیں کہ انسان کے تخلیقی عمل کے دوران جو ان مِٹ جذبہ (urge) اس کے خمیر میں گوندھ دیا گیا ھے وہ ایک تلاشِ مسلسل کا جذبہ ھے۔ اسے اپنے آئیڈیل، یعنی اپنی ذات کے لیے ایک قابلِ رشک و تقلید پیکر کی تلاش ھے۔ یہی جستجو مآلِ کار انسان کو اس کی اپنی ذات (self) کا شعور (consciousness) اور پہچان (identity) بخشتی ھے۔ اسی شعوری منزل سے انسان اپنی نوع کے لیے خالق کے مقرر کردہ تخلیقی پلان کی حدود (parameters) کے اندر ارتقاء حاصل کرتا، اپنے مقصدِ حیات سے قریب تر ہوتا جاتا ھے۔ شعوری پختگی کے ایک ابتدائی مرحلے میں داخل ہوتے ہی اس تلاش کی ابتدا ہوتی ھے اور پھر یہ تلاش شعوری ارتقاء کی ہمراہی میں خوب سے خوب تر کی سمت ہمیشہ جاری رہتی ھے۔ یہ تلاش جسمانی موت سے بھی ختم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے بنیادی لازمے، یعنی علم، سوچ، احساسات اور اعمال، یادداشت (memory) کی صورت، تا دمِ مرگ انسان کے نہاں خانۂ لاشعور میں محفوظ رہتے ھیں۔ یہ محفوظ ریکارڈ اُس ابدی حقیقت کا بین ثبوت ھے کہ زندگی کا تسلسل جسمانی موت سے ماوراء بھی قائم رہتا ھے۔ زندگی اگلے بلند تر شعوری مرحلے میں داخل ہوتی ھے تو اُس مرحلے کی ابتدائی سطح ہی سے، پچھلے ریکارڈ کا یہ ورثہ اسکا زادِ راہ ٹھہرتا ھے۔ یہ اسے درپیش اگلے ارتقائی عمل کو نتیجہ خیز بناتا اور سہولت و راہنمائی فراہم کرتا ھے۔ غالباً اِس ضمن میں، الہامی ہدایت اور جدید علوم کی روشنی میں، انسان کے اسپِ خیال کی پرواز یہیں تک رسائی پا سکتی ھے۔ اس لیے کہ حیاتِ آخرت کے علم سے ہمارے شعور کی موجودہ سطح پر ہمیں آگاہ کرنا خالق کی حکمتِ عالیہ کے منشور کا حصہ نہیں تھا۔ حیاتِ آخرت کے وجود و وقوع کی صرف "توثیق" کر دینا ہی ہماری تلاشِ پیہم کی تسکین کے لیے کافی سمجھا گیا۔ اسے "علمِ غیب" قرار دیا گیا جو صرف اُسی حیاتِ ازلی و ابدی کے علم میں ھے۔ {۵۹/۶}۔

قارئین یہی فطری جذبہِ تلاش اس عاجز کو بھی ابتدائے زندگی سے ہی در در بھٹکائے پھرتا رہا۔ زندگی کی حقیقت جاننے کی جستجو میں تمام مکاتبِ فکر سے گزرتا بالآخر قرآنی جماعتوں سے وابستہ ہوا۔ مطالعے کے لائق جس بھی مواد تک دسترس پہنچی اسے نہ صرف پڑھا بلکہ نچوڑ ڈالا۔ اس کوششِ ناتمام کے ساتھ زندگی کے بے لگام ہنگامی سفر کی ایک طویل داستان ھے جس کا احوال مختصراً ایک شعر کی صورت کچھ یوں ھے:-

رُو میں ھے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ھے نہ پا ہے رکاب میں

لیکن اس تمام تر تگ و تازِ حیات کے بعد یہ دلِ ناکردہ کار نہایت عاجزی سے اگر یہ اعترافِ حقیقت کرنا چاہے کہ اس جستجوئے ناتمام میں: -

تمام دفترِ حکمت اُلٹ گیا ہوں میں
مگر کھُلا نہ ابھی تک کہاں ہوں میں

تو غالباً مبالغہ پر مبنی ہو گا۔ کیونکہ حقیقی معنوں میں تمام تر دفترِ حکمت الٹ دینے کے لیے تو کئی زندگیاں بھی ناکافی ہوں گی۔ اور دوسرے یہ کہ انسان جب زندگی بھر جدوجہد کرتا رھے، تو دستورِ قدرت ھے کہ اسے اپنے مقصد میں مقدور بھر کامیابی نصیب ہو ہی جاتی ھے۔ وہ اتنا تو جان ہی جاتا ھے کہ کہاں کھڑا ھے۔

پس زندگی کی حقیقت اِس شکل میں اِس عاجز پر آشکار ہوئی کہ اپنے اس ارتقائی سفر میں انسان، الہامی ہدایت کی روشنی میں، اپنے مثالی آئیڈیل کو اپنے سامنے لباسِ مجاز میں دیکھ تو چکا ھے، لیکن یہ مثالی پیکر اختیار کرنے میں زندگی کے مادی پہلوؤں کے تقاضے جو حیوانی جبِلّتوں کی اساس پر اٹھتے ھیں، اس کے نفسِ لطیف پر بار بار غالب آ جاتے ھیں۔ جب اعلیٰ شعوری تقاضوں پر مادیت پرستی کا کم تر آئیڈیل حاوی ہو جائے، تو انسان، جو ابھی اپنی تعمیر کے مراحل سے گذر رہا ھے، اپنے تمام تر علم و فضل اور قدرت کی عطا کردہ جملہ صفاتِ عالیہ کے باوجود جہالت کی سطح پر جا گرتا ھے۔ اپنے دور کے بہت سے جید علماء سے استفادہ کرنے کے باوجود، تحقیق و کسبِ علم کے کسی نہ کسی موڑ پر، اس عاجز کو حیران کن صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔

یہ وہ اساتذہ تھے جو دُور سے اپنے تخصص میں مقامِ بلند پر فائز نظر آتے تھے۔ یہ عاجز کمترین جو علم کے میدان میں اپنے تیئں ایک پرکاہ کے برابر بھی مقام دینے پر تیار نہیں، اور ہنوز صدقِ بسیط اور نفس الامر کی جستجو میں سرگرداں تھا، اِن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمیذ تہ کرنے کو باعث افتخار سمجھتا رھا۔ قریب سے دیکھنے پر فریبِ نظر کھل کر سامنے آیا تو زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ گئے:-

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ھیں پیرو

اگرچہ بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، جس کے لیے دل شکر گزاری کے جذبات سے پُر ھے، اور نظریں ہمیشہ ادب و احترام سے زمیں بوس۔ مگر حقیقی وفاداری انسانوں سے نہیں بلکہ اُس خالقِ حقیقی سے ہونا ہی کردار کی معراج ھے۔ اساتذہ سے اختلافِ رائے انسان کا حق اور آزادیِ وجود کا ثبوت ھے۔ دائمی رفاقت صرف خالق کا حق ھے جو اس کی کتاب سے دائمی تمسک کو ہر رشتے پر فوقیت دینے سے ادا ہوتا ھے۔ اُسی رفیقِ اعلیٰ کے مقدس ارشادات کو مادہ پرستی کی بھینٹ چڑھتے دیکھ کر تحریرِ ھذا سپردِ قلم کرنے پر خود کو مجبور پایا۔ اور جو کچھ درست سمجھا، نیک نیتی سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔" گر قبولِ افتد، زہے عزوشرف" ۔

آخری علمی رفاقت لاہور کے سلسلہِ دعوتِ قرآنی { آستانہ } کے ساتھ تھی جنہیں پا کر ایسا لگا جیسے علامہ پرویز مرحوم کے مکتبِ فکر سے فارغ التحصیل ہو کر، اسی شعبہِ تخصص میں، سینیر درجے میں داخلہ لے لیا ہو۔ جیسے جستجوئے شوق کو سکون اور جیسے بیمارِ جنوں کو بے وجہ قرار آ گیا ہو۔ جیسے ایک بڑا میدان عمل حیطہِ اختیار میں آ گیا ہو۔ لیکن چند سالہ تحقیق کے بعد انکشافات کا سلسلہ شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ " ھیں کواکب کچھ، نظر آتے ھیں کچھ " ۔ پوری آپ بیتی ان چند اشعار میں سموئی جا سکتی ھے:-

اپنی جولان گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں

کس رباطِ کہنہ کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

عرصۂ محشر میں میری خوب رسوائی ہوئی
داورِ محشر کو اپنا راز داں سمجھا تھا میں
تھی وہ اِک درماندہ رہرو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

لہذا، نسلِ انسانی کی مادرِ ارض پر حاضر و موجود کڑی کے بارے میں اِس کمترین کی تحقیق و تجسس کا آخری ماحصل، جو ہم سبھی پر یکساں لاگو ہوتا ھے، اعترافِ حقیقت کے طور پر ان اشعار کے ذریعے نہایت ادب کے ساتھ خدمت عالی میں پیش کر دیا جاتا ھے:-

اب تک بزمِ جُہل میں ھے ناداں ڈٹا ہوا
اب تک ھے علم و عقل و ہنر میں گھٹا ہوا
اب تک لباسِ ذہن و ذکاء ھے پھٹا ہوا
اب تک ھے خاک میں انسان اٹا ہوا
ہر چند کہ خاکِ تیرہ سے بالا ھے آدمی

عربی لغت، گرائمر اور جملوں کے در و بست کے خلاف غلط سلط ترجمہ کر کے کوئی عقیدہ بنالیا جائے تو اسکا کوئی علاج نہیں۔ اصل مسئلہ تو داعی کے قلب و ذہن و ضمیر میں الہامی ہدایت کا بنیادی تصور اور اس کے لافانی متن کی قدر و قیمت ھے۔ یا تمام ترکاوشوں کے پسِ منظر میں پوشیدہ، موصوف کا حقیقی نصب العین۔ اللہ کرے اِس کمترین کے اندیشہ ہائے دور و دراز درست نہ ثابت ہوں، یا پھر وہ نیتوں کا حال جاننے والا، منفی عزائم کو نیک ارادوں میں بدل دے۔ آیئے اس اہم ترین موضوع کا خوفناک تاریخی سیاق و سباق مختصراً دیکھ لیتے ھیں۔

موضوع کی تعیین

ابھی گرانیِ شب میں کمی نہیں آئی　　　　نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
بڑھے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

۔،۔،۔،۔،۔،۔،۔،۔،۔،۔

"الحکم کا خاتمہ"

۶۵۶ عیسوی میں شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اندوہناک واقعہ، اپنے حقیقی تناظر میں، گویا ایک سنہرے خواب کے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جانے، اور امت کی کل متاعِ حیات کے یکسر لٹ جانے کے مترادف تھا۔ تاریخ کے اس افسوسناک باب کے ساتھ ہی دین اللہ کی تباہی کا پہلا محور، یعنی " الحکم " کا انہدام، تکمیل پا گیا۔

" الحکم " دراصل ' حکومت الٰہیہ ' کی قرآنی اصطلاح ھے۔ شہادتِ عثمان کے پسِ منظر میں اکابرین ملت کے متفقہ ووٹ، یعنی بیعت، پر حضرت علی المرتضیٰ کا بطورِ جانشین انتخاب عمل میں آیا۔ اس مرحلہ پر صحابہِ کبار کے مشوروں کے برخلاف تمام عمّالِ عثمانی کی معزولی کے پروانے روانہ کر دیے گئے۔ اس اقدام کا نہایت منفی ردِ عمل ہوا۔ شام کے طاقتور گورنر حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان نے اپنی معزولی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خونِ عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہوئے، اپنے زیرِ نگیں تمام مقبوضات پر اپنی خود مختار حکومت کے اعلان کے ذریعے، رسالت مآب کی وفاتِ حسرت آیات کے صرف ۲۴ سال بعد، "الحکم " کا خاتمہ کر کے ایک غیر اسلامی، غیر قرآنی، شخصی اور موروثی حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ { ابن اثیر، اخبار الطوال، امام طبری } ۔ اس طرح معاصر یہودی اکابرین کے عظیم غارت گر مشن کا پہلا مرحلہ اختتام کو پہنچ گیا۔ اقبال نے اس عظیم المیے کو اس طرح بیان فرمایا ھے:-

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست　　　　خود سرِ تختِ ملوکیت نشست
عرب خود را بہ نورِ مصطفیٰ سوخت　　　　چراغِ مردہء مشرق برافروخت

"دین اللہ کی مذہب سازی"

دین اللہ کی تباہی کا دوسرا بڑا مرحلہ "حقیقی اسلام کے انہدام اور جعلی اسلام کی تشکیل" کا مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ کا بنیادی محور " دین اللہ کی مذہب سازی " تھا۔ "الحکم" کے انہدام کے ساتھ ہی اسلام دشمن، رجعت پسند قوتیں اقتدار مطلق کی مالک بن گئیں، تو یہ مرحلہ تمام خطرات سے پاک اور آسان تر ہو گیا۔ معاصر یہودی اکابرین نے یہ مرحلہ، نئے حکمرانوں کی مکمل سرپرستی میں، درج ذیل انتہائی مربوط و منظم کاروائیوں کے ذریعے، ٦٦١ سے ٧٥٠ عیسوی تک پایہ تکمیل کو پہنچا دیا:-

- مروجہ یہودیت اور نصرانیت کے نمونے پر دین اللہ کی مذہب سازی۔
- قرآت، پرستش، عقائد، توہمات اور اندھی تقلید پر تمام تر زور اور توجہ۔
- پہلی صدی ہجری کے نصفِ ثانی سے ہی قرآن کی غیر عقلی اور افسانوی (mythical) تعبیرات کی تیاری کا آغاز۔
- بیشتر افسانوں کا انجیل و تورات کے مروجہ غیر عقلی تراجم سے اتخاذ۔
- ان افسانوی تعبیرات کا جواز اور پسِ منظر پیدا کرنے کے لئے شانِ نزول کے فرضی قصے اور وضعِ روایات کے فتنے کی ایجاد، اور پھر اس فتنے کو بتدریج ایک ملک گیر صنعت کا درجہ بہم پہنچانا۔
- بالفاظ دیگر، رسول اللہ کی ذات عالی مقام کے ساتھ ایک طولانی سلسلہِ تحدیث یعنی "تقوّل" (taqawwal) منسوب کرنا۔
- یہ " تقوّل" قرآن کی رو سے ایک سنگین جرم تھا جس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے سخت ترین لب و لہجہ میں تنبیہ فرمائی تھی{ ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ۔ آیت مبارکہ: ٤٦-٤٤/٦٩ :

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۔

ترجمہ: اگر [یہ رسول بھی] ہمارے نام پر کچھ اقوال گھڑتا تو ہم اسے سیدھی طرف سے گرفت میں لے لیتے اور پھر اس کی رگِ جاں منقطع کر دیتے۔

دین اللہ کی مذہب سازی کا محور ۷۵۰ عیسوی تک مکمل ہو کر آئندہ لگ بھگ ۱۳۰۰ سالوں کے لیے قرآن کے بیشتر احکامات کی ایک ایسی غیر عملی، غیر عقلی، دیومالائی تفسیر تاریخ کے صفحات پر ثبت کر گیا جس نے اللہ تعالیٰ کے آفاقی پیغام کی حقیقت کو غارت گر رسومات و عقائد کے ہزاروں ٹن ملبے کے بوجھ تلے دفن کر دیا۔ کروڑوں مسلمان غرباء اور عامیان کے لیے ظالم، مستبد اور بے حس حکمرانوں کی غلامی کے تحت بے کسی کی زندگی گزارنا گویا ان مٹ اور دائمی مقدر کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ مستبد حکمران طبقہ آج تک مسلم عوام کے سروں پر مسلط ہے اور عوام کے دکھوں، آلام اور مصائب کا طولانی سلسلہ آج بھی زور و شور کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ اس کی ہمراہی میں، دین اللہ کی مذہب سازی کے گناہِ عظیم کا عذابِ مسلسل، بے نتیجہ دعاوں، مناجاتوں، ختموں، میلادوں، نمازوں، روزوں، تسبیحوں، وظیفوں اور نوری و سفلی عملیات کی صورت میں لامتناہی طور پر مسلط ہے جس سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

" صدرِ اول کی تاریخ کا جزوی تجزیہ "

یہاں ضمناً یہ واضح کر دیا جائے کہ قرونِ وسطیٰ کی اسلامی سلطنت کی بیشتر وسعت، شان و شوکت، عظمت و سطوت، جس کی حمد و ثنا میں آج کا ماضی پرست نادان مسلمان روز و شب رطب اللسان ہے، دراصل "مسلمان کہلانے والے" مستبد حکمرانوں کی ہوسِ ملک گیری کا نتیجہ تھا۔ حقیقی اسلامی حکومت، یعنی "الحکم" کے آثار، نشان و باقیات، ۴۰ ہجری میں خلافتِ راشدہ کے خاتمے کیساتھ ہی صفحۂ ہستی سے نہایت ظالمانہ، ہمہ گیر اور منظم جدوجہد کے ذریعے مکمل طور پر غائب کر دیے گئے تھے۔ تاریخ کے اس خونچکاں باب کی تفصیلات تحریرِ ھذا کا موضوع نہیں ہے۔ اس لیے یہاں ہم ان روح فرسا تفصیلات میں نہیں جاسکتے۔ البتہ عوام الناس، طبقۂ غرباء اور نو مسلم و غیر مسلم کے لیے یہ حکومت ایک بھیانک خواب کی حیثیت رکھتی تھی جہاں ان کے لیے قرآنی مساوات کا تصور کرنا بھی ناممکن تھا، کیونکہ وہ نسلی و طبقاتی تعصب، ناقابلِ تصور معاشی تفاوت اور ایک مکمل استحصالی ملوکیت و جاگیر دارانہ نظام کے شکار تھے۔

اس بیان کے ثبوت کے لیے حضرت عمر بن عبد العزیز کے مختصر دورِ خلافت { ۷۱۷ سے ۷۱۹ عیسوی۔۔۔ ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ } کا بغور جائزہ، اور آپ کی جانب سے نافذ کردہ ملوکیت کے جبری نظام میں جوہری تبدیلیاں اور بنیادی اصلاحی اقدامات کا مطالعہ نہایت حقیقت افروز ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت اور بھی چشم کشا ہے کہ حقیقی اسلامی کلچر، یعنی " الحکم " کے از سرِ نو نفاذ کی کوششوں کے "گناہ" کی پاداش میں اس مردِ مومن کو اپنے اقرباء ہی کے ہاتھوں زہر کھا کر فنا کے

گھاٹ اترنا پڑا۔ اور بنو امیہ کی غیر قرآنی آمرانہ روش مختصر وقفے کے بعد یوں دوبارہ بحال ہو گئی گویا کوئی وقفہ آیا ہی نہ تھا۔

خلافتِ راشدہ کے انہدام سے قبل دور و نزدیک کے وہ علاقے فتح کیے جا چکے تھے جہاں سے نئی اسلامی تحریک کے خلاف محاذ آرائی کا اندیشہ موجود تھا۔ بعد ازاں، یہ بنو امیہ کی غاصب، آمرانہ، موروثی حکومت تھی جو زمامِ کار اپنے بے رحم ہاتھوں میں لے چکے تھے۔ نئے دین کے عطا کردہ جذبوں اور ولولوں سے حاصل کردہ عظیم وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ہفت اقلیم کی حکمرانی کا خواب دیکھنے والے یہی نئے عرب استعمار کے نمائندے تھے۔ تاریخ کے گہرے تحقیقی تناظر میں دیکھا جائے تو اسلام کے صدرِ اول ہی میں تمام تر مشرقِ وسطیٰ، آرمینیا، آذربائیجان، وسطِ ایشیا، شمالی افریقہ اور جنوبی یورپ پر فاتحانہ غلبہ درحقیقت خطے میں ما قبل موجود دونوں سپر پاورز کے اقتصادی اور عسکری طور پر مکمل دیوالیہ ہو جانے کے سبب تھا۔ تاریخ کا خارجی محور سے لیا ہوا جائزہ یہ ثابت کرتا ھے کہ جزیرہِ عرب میں اسلام کی ابتدائی، داخلی جدوجہد اور عروج کے دور میں ہی، ساسانی اور بازنطینی سلطنتیں آپس کی ۲۰ سالہ طویل اور مسلسل حریفانہ جنگی مہمات [۶۱۰-۶۲۹ع] کے نتیجے میں نہایت کمزور ہو چکی تھیں اور کسی بھی موثر دفاع یا محاذ آرائی کے قابل نہ رہی تھیں۔ لہٰذا ان تمام عاجلانہ فتوحات سے حاصل کردہ غلبہ کسی بڑی غالب و موثر طاقت کی غیر موجودگی یا قوت کے خلا (power vacuum) کا عطا کردہ تھا۔ بے شک، ایک نئے فلسفہِ حیات کا عطا کردہ جوش و ولولہ بھی ایک طاقتور عنصر کے بقایاجات کے طور پر جمہورِ مسلمین میں کافی عرصہ کار فرما رہا جسے مستبد حکمرانوں نے جی بھر کر ذاتی عزائم اور مطلب براری کیلئے استعمال کیا۔

"عہدِ جدید کی راست قرآنی تعبیرات سے خطرہ"

قارئینِ کرام، آج لگ بھگ ۱۴۰۰ سال بعد، جب کہ امت مسلمہ میں مغربی استعمار کے غلبے سے آزادی اور بیداریِ فکر کی بنا پر متعدد جماعتیں حقیقی اسلام، یعنی اپنی فردوسِ گم گشتہ، کی تلاش میں قرآن کی عقلی اور فکری (rational) تعبیر سازی میں ہمہ تن مصروف ہو چکی ھیں، اور ہم عصر صیہونی مقتدرہ (The Illuminati) کو اپنے قدیمی اکابرین کی انتہائی کامیاب تاریخی معرکہ آرائی کا پول کھل جانے کا خطرہ لاحق ہو چکا ھے۔ یعنی اقبال کے الفاظ میں:

"عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن خوف یہ ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں"

تو ایک بار پھر وہی قدیمی تاریخی منظر نامہ (scenario) درپیش ھے، یعنی:-

- دین اللہ کی مصفا و منزہ شکل دریافت ہونے اور عامۃ المسلمین کے روبرو آجانے سے کیسے روکی جائے؟
- کیوں نہ عقلی اور فکری تعبیرات کے نہایت انہماک سے جاری شدہ تحقیقی عمل کی آڑ لے کر دین اللہ کو اس مرتبہ مادیت پرستی کا جامہ پہنا دیا جائے؟
- قرآن کی ایسی مادی تعبیر کو فروغ دیا جائے جو بظاہر "عقلی و عملی" (rational & practical) معلوم ہو، مگر دراصل اللہ کی صفاتِ خالق (The Creator) و رب (The Nourisher/ Sustainer) کے عملی وجود و تشخص سے منکر ہو۔ رسولوں کے شخصی حقیقی وجود کی نفی کرے۔ وحی سے انکاری ہو اور حیاتِ آخرت کو ایک فضول واہمہ قرار دے۔
- صرف طبیعی دنیاوی زندگی کے حقوق و مفادات کے حصول کو قرآنی روح، یا آسمانی ہدایت کا نچوڑ، قرار دے دیا جائے۔ اعلیٰ ترین روحانی و شعوری اقدار کی مالک انسانی زندگی کو صرف اس کے مادی پیکر { یعنی socio-economic aspect) سے عبارت کر دیا جائے، اور اس کے حیوانی طبیعی نظام اور جبلتوں کی تسکین ہی کو تمام تر مقصود و منتہاء قرار دے دیا جائے۔ بالآخر مٹی میں مل کر ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جانا اس کا مقدر قرار دیا جائے۔
- موجودہ دور میں مسلمانوں ہی میں سے ایسی جماعت چنی جائے جو بظاہر قرآنی ریسرچ کے لوازمات و مظاہر سے آراستہ ہو، اسی مشن میں مصروف نظر آئے، لیکن فی الحقیقت قرآن کی مادیت سازی کے اس مخصوص اہم فریضے، یعنی "اِلومیناٹی" کے جدید ترین ایجنڈے کی پس پردہ انجام دہی پر مامور کر دی جائے۔

قارئین، حالات و واقعات پر انتہائی باریک بینی سے طویل غور و خوض کے بعد یہ روح فرسا حقیقت سامنے آئی ھے کہ عالمی صیہونی مقتدرہ یعنی " الومیناٹی" کو اپنے ایجنڈے کی انجام دہی کے لئے، مسلمان کہلانے والوں ہی میں سے، ایک نام نہاد قرآنی جماعت کی خدمات میسر آچکی ھیں، اور اس جدید مذموم ایجنڈے یعنی" قرآن کی مادیت سازی" پر عمل درآمد کا بخیر و خوبی آغاز کیا جا چکا ھے۔

آیئے اگلے صفحات میں دیکھتے ھیں کہ اس نام نہاد قرآنی جماعت کی اصل کیا ھے۔

پسِ منظر

متحدہ ہندوستان میں زوال رسیدہ مسلم قوم کو محکومی اور ذلتوں کی پستی سے از سر نو ابھارنے کے مشن میں سر سید احمد خان کی اولوالعزم تعلیمی و تدریسی جدوجہد کسی فرد و بشر سے پوشیدہ نہیں۔ اسی نامور مصلحِ قوم نے انتہائی پسماندہ معاشرت و معیشت کے حامل اور فرسودہ مذہبی عقاید کے شکار مسلمانانِ ہند میں ایک نئی فکری و عملی روح پھونکنے کے عظیم نصب العین کی روشنی میں ایک تاریخی تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک دلیرانہ تحریکِ "رجعت الیٰ القرآن" کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک کے ڈیڑھ سو سال سے زاید عرصے کے تحقیقی و اشاعتی پسِ منظر میں، تقسیم ہند کے مابعد، گزشتہ 64 سال سے شہر لاہور ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن سے منسلک تمام اہم و قابل ذکر جماعتوں، جیسے مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے متبعین کی جماعتِ اہلِ قرآن، علامہ غلام احمد پرویز کا ادارہِ طلوع اسلام، علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کی قرآنی فکر کے وارثین یعنی خاکسار تحریک، جاوید احمد غامدی کا ادارہ المورد، ڈاکٹر اسرار احمد کی تنظیمِ اسلامی اور اکثر و بیشتر گمنام اور غیر معروف جماعتوں اور حلقوں کے ہیڈ کوارٹرز لاہور ہی میں واقع ہیں، جہاں سے قرآنی ریسرچ پر مبنی اشاعتی مواد اور اس کے تحت درسی و تنظیمی سرگرمیوں کا سلسلہ میسر وسائل کے بقدر جاری و ساری ہے۔

سلسلہِ دعوتِ قرآنی

لاہور کی انہی جماعتوں میں ایک ادارہ سلسلہِ دعوتِ قرآنی بھی ہے، جو بظاہر استاد الافاضل جناب ڈاکٹر قمر زمان کی سربراہی میں تحقیقی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔{ جسے ہم حوالے کی آسانی کے لیے آئندہ " آستانہ " لکھیں گے } ۔ یہ ادارہ حال ہی میں ایک اچھے خاصے معتبر مکتبِ فکر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف اب تک قرآن کے مختلف موضوعات پر اپنی خالص عربی زبان و گرامر کی بنیاد پر کی گئی تشریحات کی رو سے کئی قابل قدر کتابیں اور مضامین تحریر کر چکے ھیں۔ یہ ادارہ آستانہ (aastana.com) کے نام سے اپنی ویب سائٹ اور خصوصاعلمی مباحث کے لئے "بلاگ" کا اجراء کر چکا ہے جس میں پاکستان اور بیرونی ممالک سے قرآنی پس منظر رکھنے والے چند افراد فعال ھیں۔ لیکن، حال ہی میں اس جماعت کی فکر میں اچانک در آنے والی جوہری تبدیلیوں کی روشنی میں یہ ایک متنازعہ حیثیت اختیار کر چکی ھے۔ اپنے خالص مادیت پرستی کی نمائندگی پر مبنی تازہ فلسفے کے سبب، یہ جماعت اب "قرآن کی مادیت سازی" کی مہم میں ایک انتہائی فعال آلہِ کار کے طور پر سامنے آئی ھے۔ "الومیناٹی" کے قرآن دشمن عزائم کے موجودہ ایجنڈے کے

ضمن میں تمام تر تحقیقات اسی مخصوص جماعت کی طرف اشارہ کرتی نظر آتی ھیں۔ اندیشہ ھے کہ اس جماعت کے قرآن مخالف پروپیگنڈے کے سد باب کے لیے ایک مربوط اور متحد مہم کا آغاز نہ کیا گیا تو کہیں غفلت ہی کی حالت میں " الومیناٹی" کے منصوبے کا یہ مرحلہ بھی قبولیتِ عامہ تک نہ پہنچ جائے۔ معاشرے کے ایک طبقے میں تیزی سے پھیلتی ہوئی مغربیت اس کے لیے ساز گار فضا پیدا کر چکی ھے۔ نیز ہماری حکومت کی طرف سے اس تباہ کن مہم کے سّد باب میں کسی قسم کی دلچسپی لینا قطعاّ خارج از امکان ھے۔ ہم سب یہ بخوبی جانتے ھیں کہ مسلم اربابِ اقتدار کی ترجیحات نہ صرف یکسر مختلف ھیں بلکہ یہ طبقہ گلوبل الومیناٹی ہی کے اشاروں پر چلتے ہوئے اپنا وطن اور عوام دشمن اقتدار قائم رکھے ہوئے ھے۔ اور بیرونی آقاءوں کے ایک اشارے پر وہی کچھ کر گزرنے پر مستعد ہو جائیگا جس میں ان طاقتوں کا مفاد ہو۔

کہانی کا آغاز کچھ اس طرح ہوا کہ اسی آستانہ کے "بلاگ" میں مباحث کے دوران، تقریباّ ڈیڑھ سالہ سلسلہِ اظہار کے بعد، محترم ڈاکٹر صاحب کے پوشیدہ عقائد اچانک منظر عام پر نمودار ہونے شروع ہوئے جو ان کے چند راسخ العقیدہ رفقاء کے لیے حیرت انگیز انکشاف یا ایک یکسر تبدیلیءِ فکر کے مترادف تھے۔ یہ عقائد خالص مادہ پرستانہ اساس پر مبنی تھے اور اس عاجز اور کچھ دیگر ساتھیوں کیلیئے ایک صدماتی جھٹکے کی مانند ثابت ہوئے۔ یہ عاجز جو ایک شریک کار اور طالبِ علم کی حیثیت سے اس مکتبِ فکر سے منسلک تھا، اور اس ادارے کو الاستاد علامہ پرویز اور دیگر قرآنی اکابرین کے قرآنی تحقیقی و تدریسی سلسلے کی ترقی یافتہ کڑی باور کرتا تھا، معذرت کے ساتھ اولاّ اختلاف رائے اور آخرِ کار علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ شاید اِسے ایک انتہائی اقدام باور کیا جائے، لیکن دستورِ انسانی یہی ہے کہ آپ کسی ایسے ادارے یا جماعت کے ساتھ نہیں چل سکتے جہاں آپ کے بنیادی قرآنی یقینیات [اجزائے ایمان] میں نہ صرف اختلاف رائے، بلکہ سراسر تضاد کی صورت حال پیدا ہو جائے، خواہ آپ کا تعلق کتنا ہی سنجیدہ اور مخلصانہ رہا ہو۔{۵/۲} ارشادِ باری تعالیٰ ھے:-

۵/۲ : وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ

{اور تم سب اپنا دست تعاون نیکی، کشادا اور پرہیز گاری کی بنیاد پر دراز کرو۔ گناہ، سرکشی اور حدود سے تجاوز پر نہیں}

اب تک کیونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تحریریں موضوعات کی حد تک منظر عام پر آئی تھیں اس لیے ان کے بنیادی عقائد و عزائم (convictions & designs) عوام الناس کے سامنے واضح طور پر نہیں آ سکے تھے۔ یہ موضوعات صلوٰۃ، زکاۃ، صوم، حج، حلال و حرام، ملائکۃ وغیرہ پر مشتمل ھیں اور ان تحریروں کو پڑھنے والے جانتے ھیں کہ ان میں

زبان و گرائمر کی رو سے مذکورہ قرآنی اصطلاحات کی لسانی اور عقلی تشریح کی گئی ھے اور روایاتی ترجموں کی غلط بیانیوں کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہوئے ان کی تصحیح کی کوشش کی گئی ھے۔ یہ تصنیفات عربی گرامر کے اصولوں کے تحت مرتب کی گئی ھیں اور ذہنِ رسا رکھنے والوں کو ڈاکٹر صاحب کی فکر کی سمت متوجہ بھی کرتی ھیں۔ اگرچہ مخالفت کا عنصر بھی بدرجہ اتم موجود ھے، لیکن آپ دیکھتے ہوں گے کہ قرآنی فکر رکھنے والوں کی کسی قدر تعداد ان تحریروں کے سبب ڈاکٹر صاحب کے ادارے کی فکر سے کچھ حد تک متفق ہو چکی ھے۔ یہ عاجز بھی انہی تحریروں کے توسط سے اس حلقہ میں شامل ھوا اور تن من دھن سے اس قرآنی مشن میں ڈاکٹر صاحب کا رفیق سفر رہا۔ گزشتہ تقریباً چار سالوں میں تائیدی و تشریحی مضامین لکھے، محترم کی تین عدد بڑی کتابوں کے انگریزی تراجم کا زیرِ التوا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچایا، راولپنڈی میں جماعت کے دو تدریسی حلقے قائم کیے، اور قریباً ڈیڑھ سال تک بلاگ میں گلوبل سطح پر استفسارات کے جوابات دینے اور مباحث کے علمی اور تہذیبی معیار کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا۔

تاہم، بھلا ہو بلاگ پر کھلے مباحث کا، کہ انہی کے ذریعے گزشتہ چھ ماہ کے عرصے میں، رفتہ رفتہ، موصوف کے اب تک پردے میں چھپے خالص مادہ پرستانہ عقائد آشکار ہوئے۔ پھر اچانک سب کچھ کھل کر سامنے آ گیا۔ کچھ عرصہ تحریری اختلافات اور دلائل وردِ دلائل کے بعد معاملہ، شدید صدمہ کی حالت میں، دل پر پتھر رکھ کر راہیں جدا کرنے تک آ پہنچا۔ حقیقت احوال امتدادِ زمانہ کے ساتھ کھل کر سامنے اس لیے بھی آ گئی کہ بلاگ ہی کے صفحات پر موصوف کو سیکولر سکینڈے نیویا میں پلے بڑھے دو یا تین مادر پدر آزاد اور فری سیکس و دہریت کے حامی پاکستانیوں کی جارحانہ تائید و حمایت حاصل ہو گئی، جس سے حوصلہ افزائی پاتے ہوئے موصوف محترم نے ڈھکے چھپے اور محتاط انداز میں بالآخر اظہارِ مدعا کرنے کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔

یہاں تک تو خیر گزری، کیونکہ آزادیِ اظہار ایک بنیادی حق بھی ہے اور ایک اعلیٰ قدر بھی--- قرآن سے اس عاجز نے فراخ دلی اور وسیع المشربی ہی کا عظیم اثاثہ پایا ھے- لیکن ایک علمی رفاقت کے دوران ایسا جبھی جائز اور دیرپا سمجھا جاتا ہے جب یہ جذبے دو طرفہ ہوں، اور دوسروں کو بھی یہ حق برابری کی بنیاد پر فراہم کیا جائے۔ تاہم، اس کے برعکس، غیر اخلاقی سطح کی جو واردات، بعد ازاں، اس ویب سائٹ پر عمل میں لائی گئی وہ متخالف اظہار خیال کو دبانے اور صفحات سے غائب کرنے کی مذموم یکطرفہ اور مستبدانہ کاروائی تھی، جو انتہائی غیر منصفانہ اور متعصبانہ انداز میں عمل پذیر ہوئی اور آج

تک جاری ھے ۔ اس طرح جب اعلیٰ قرآنی اقدار کا خون شروع ھوا، تو پھر یہ " شر " کا طوفان روکے نہ رک سکا اور شرافت و تہذیب کے تمام تقاضے اپنے ساتھ بہالے گیا۔ انہی چند مادر پدر آزاد افراد کو بلاگ کے صفحات پر ہر قسم کی محاذ آرائی، بدتمیزی اور دشنام طرازی کی کھلی اجازت بھی دی گئی۔ متعدد جعلی شناختیں(multiple fake identities) بنا کر اپنے نقطۂِ نظر کے حامیوں کی زیادہ تعداد دکھانے کے منفی ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ اپنے نئے اظہار کردہ خالص مادی اور سیکیولر موقف کی مخالفت میں تبصرے کرنے والے دیرینہ رفقاء کو ذلیل وخوار کر کے بلاگ سے نکل جانے پر مجبور کیا گیا۔ ثبوت کے طور پر بلاگ پر موصوف کے ایک قریبی آلہِ کار کی کھلی دھاندلی اور افلاطونیت کا نمونہ کاپی / پیسٹ کی صورت میں ملاحظہ فرمائیں:-

"Dear………..! Remember the only source is Quran. It is better to read Dr. Qamar zaman's books and articles, as some of them are available in 17ssence too, OR it is advised to read the senior members comments. I think Sister -------- is also a very learned member. It seems,that, you have all-togather over looked their remarks, if you are really serious to know the true Quranic message (being a truth seeker) then you have to read the basic terminologies (presented at Aastana blog) of quran,which is essential to understand the AASTANA MESSAGE.

<u>OR IT IS BETTER TO QUIT AND SAVE YOUR TIME AND OTHERS AS WELL." 23.7.2011.</u>

{ ترجمہ : " ڈیر۔۔۔۔۔۔۔، یاد رکھو کہ واحد ماخذ قرآن ھے، بہتر یہی ہوگا کہ ڈاکٹر قمر زمان کی کتابیں اور مضامین پڑھو، ان میں سے چند انگلش میں بھی دستیاب ھیں، یا تمہیں نصیحت کی جاتی ھے کہ سینیر اراکین کے تبصرے پڑھو۔ میرے خیال میں بہن ۔۔۔۔۔ س بھی ایک فاضل رکن ھے۔ اگر تم سچے قرآنی پیغام کو جاننے میں سنجیدہ ہو تو تمہیں قرآن کی بنیادی اصطلاحات کا علم پڑھنا ہوگا { جو آستانہ بلاگ پر پیش کیا گیا ھے } جو آستانہ کا پیغام سمجھنے کے لِے لازم ھے ۔ یا یہ بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے کوچ کرو اور اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع ہونے سے بچاو۔۔۔}"

اس کھلی دھاندلی اور تعصب کے بعد اخلاق تہی دامنی پر مبنی منافقت ملاحظہ فرمائیں کہ پھر ایسے رفقاء کے چلے جانے کو ادارے کے سربراہ نے، لوگوں کے استفسار پر، حقِ آزادی ("freedom is freedom") سے منسوب کیا۔ اپنے مادہ پرست ایجنڈے کے حامیوں کی احمقانہ تشریحات و تاویلات کی باجماعت اور منظم تعریفات کے پل باندھے گئے۔ بلاگ کے شرکائے کار یہ تمام حقیقت احوال اچھی طرح جانتے ھیں اور ان میں سے ایسے حضرات جو علمی دانش و فراست کے حامل تھے، اس طوفانِ بدتمیزی کے سبب بلاگ کو خیر باد کہ چکے ھیں۔ سربراہِ موصوف کے دو یا تین حاشیہ نشین، مادیت پر مبنی ترجمانی کا ایک یک طرفہ سیلِ بے پناہ بے لگام کرنے میں مصروف ھیں اور ایک "انجمنِ ستائشِ باہمی" کی مانند ایک دوسرے کی احمقانہ تعریف و توصیف میں مگن، ڈاکٹر صاحب موصوف کی اشیر باد کی برکات سمیٹ رہے ھیں۔ ایک کوتاہ نظر، متعصبانہ، اصول و اقدار سے عاری، مغربیت پرست گروہ کی صورتِ حال پیدا ہو چکی ھے جہاں کسی بھی مخالفانہ رائے کو اجتماعی لعن طعن کے ذریعے دبا دیا جاتا ھے۔ یا پھر بلاگ کے صفحات سے غائب کر دیا جاتا ھے۔

معافی چاہتا ہوں کہ صحیح صورتِ حال کی وضاحت کے لیے واقعات کے بیان کے ضمن میں کچھ ذاتیات کا ذکر ایک لازمہ کے طور پر سامنے لانا پڑا، جب کہ اس عاجز کی مودبانہ خواہش تھی کہ صرف علمی حقائق تک محدود رہا جاتا۔ لیکن۔۔۔ "ہر چند کہ ہو مشاہدِہ حق کی گفتگو۔۔۔ ہوتی نہیں ھے بادہ و ساغر کہے بغیر" ۔ بہر حال آیئے، پسِ منظر کے ہمراہ آگے چلتے ھیں۔

محترم قارئین، جیسا کہ قبل ازیں گوش گزار کیا گیا، ٦٥٦ عیسوی میں قتل عثمان کے فوراً بعد " الحکم " یعنی حکومت الٰہیہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ ٦٦١ عیسوی میں شہادتِ حضرت علی کے ساتھ ہی اس کا مکمل خاتمہ ہو چکا تھا۔ قتلِ عثمان میں مقامی یہودی عنصر پوری طرح ملوث تھا۔ واضح رہے کہ غزواتِ احزاب و خیبر وغیرہ میں شکست کھانے کے بعد جزیرہ نما عرب میں آباد کثیر یہودی آبادی نے محاذ آرائی سے تو توبہ کر لی تھی، مگر یہ قوم معافی اور امان پا کر زیر زمین سطح پر نہایت منظم ہو گئی تھی۔ ایک بڑی تعلیم یافتہ اکثریت بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمان سکالروں کے روپ میں اپنے ہمہ گیر اور وسیع الاطراف سازشی منصوبے کی تکمیل کے لئے روبہ عمل ہو گئی تھی۔ سیاسی لائحہ عمل کی اس تبدیلی کی بنا پر چند سالوں میں ہی یہ لوگ حکمرانی کے اعلیٰ حلقوں تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ اس ضمن میں دو نامور یہودی اسکالرز کے نام ثبوت کے طور پر تاریخ کا حصہ ھیں، جو حضرت عمر بن خطاب کے اعلیٰ مشاورتی سرکل میں بھی شامل رہے۔ یہ "کعب

احبار اور سباء بن شمعون " ھیں۔ روم کی عیسائی حکومت کی پشت پناہی بھی اہل یہود کو رومی سلطنت کے با اثر نمائندے جفنیۃ الخلیل کی شکل میں حاصل تھی، جو مدینہ میں مقیم تھا اور جزیرہ نمائے عرب کے شمالی علاقوں میں واقع حیرہ کی رومی باجگزار عرب عیسائی حکومت میں اعلٰی عہدیدار رہا تھا۔ شکست خوردہ مجوسی عنصر بھی اس ناپاک اتحاد میں ہاتھ بٹاتا رہا۔ الغرض حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے خلافتِ حضرت علی کو تسلیم کرنے سے انکار اور خود مختاری کے اعلان نے "الحکم" کے انہدام کے ساتھ وحدتِ امت کو نہ صرف پارہ پارہ کیا، بلکہ علمائے یہود کو اس تفریق سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع بھی دیا۔ بنو امیہ کے آمرانہ غلبے نے حکومت الٰہیہ کی حقیقی روح کو تباہ کر کے اہل یہود کا اولین ٹارگٹ پورا کر دیا، تو وہ نہایت عرق ریزی سے دیگر مراحل کی تکمیل میں منہمک ہوگئے۔ اغلبًا ۱۴۰-۱۳۰ ھجری تک قرآن کی یہودی تفاسیر اور مغازی کے نام سے سیرتِ رسول تیار ہو کر عالم اسلام میں پھیلنا شروع ہوگئی تھیں۔ اس ابتدائی سلسلۂ تحریر کے بنیادی ستونوں میں مشہور تاریخی نام شامل ھیں جیسے ابنِ شہاب زہری [م۔ ۱۲۴ھ]، محمد بن اسحاق یسار [م۔۱۵۱ھ] {سیرتِ ابن ہشام}، اور محمد بن السائب کلبی [۱۴۶ھ] {تفسیرِ ابن عباس} وغیرھم۔ مزید سو سال تک، یعنی ۸۵۰ عیسوی تک، یہودی الاصل علماء مسلمان اشرافیہ میں سے ہی علماء اور مشائخ کی ایک ایسی نسل تیار کر چکے تھے جو ابد الآباد تک ان کے ڈیزائن کردہ " مذہبِ اسلام " سے کسی قیمت پر علیحدہ ہونے پر تیار نہ تھی۔ پس ۹۰۰ عیسوی تک عالم اسلام میں ان کی کوئی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی اس لئے وہ رختِ سفر باندھ کر رخصت ہوئے۔ اس وقت سے آج تک قرآن کی وہی تفاسیر امت اسلامیہ میں بلا فصل رائج رہیں جو اولین یہودی مفسرین کی کاوشوں کا نتیجہ تھیں۔

البتہ، بعد از خرابیِ بسیار، سابقہ ڈیڑھ سو سالوں سے آزادی کی تحریکوں کے نتیجے میں پھیلتی ہوئی بیداری کے سبب مسلمان علماء از سرِ نو قرآن کے تازہ تراجم و تفاسیر کی تیاری کی طرف متوجہ ہوئے اور رفتہ رفتہ اس معدوم شدہ دین اللہ کے حقیقی خدوخال بالآخر واضح ہونے شروع ہوگئے۔ اس نئی صورتِ حال نے "مذہبی علماء اور مشائخ" اور ان کے قائم کردہ اداروں کو تزلزل میں مبتلا کر رکھا ھے اور یہ اپنے اپنے مسلک و مشرب کے دفاع کیلئے آمادہِ پیکار ھیں۔ آمرانہ عرب حکومتوں کی مکمل اعانت و سرپرستی میں قرآن کی بیس یا اکیس مختلف قراتوں میں اشاعت کا حالیہ جاری کردہ منصوبہ بھی قرآن کو آلودہ اور متنازعہ کرنے کے اسی مذموم سلسلے کی ایک کڑی ھے ۔ البتہ خارجی محور سے اکابرین یہود بھی اپنی قدیم مساعی کو عنقریب خاک میں ملتا دیکھ رہے ھیں۔ موجودہ صورت احوال یہ اشارہ دے رہی ھے کہ " اِلومیناٹی " نے نئی حکمت عملی (strategy) وضع کرلی ھے۔ آثار و قرائن یہ بتا رہے ھیں کہ مذہبی جماعتوں کے بعد اب قرآنی جماعتوں کے اندر بھی

صیہونی عنصر اثر و نفوذ پیدا کر رہا ہے۔ "دین اللہ کی مذہب سازی" کی فسوں کاری کو ۱۴۰۰ سال بعد خاک میں ملتے دیکھ کر خارجی طاقتوں نے اب "دین اللہ کی مادیت سازی" کا ہدف مقرر کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے قرآن کو ایک ذہین و فطین انسان کی طبع زاد تخلیق قرار دے کر، زبان و گرامر پر مبنی ترجمہ کی آڑ میں، "قرآن کی مادیت سازی" کا مذموم منصوبہ روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اور اس منصوبے پر انتہائی مربوط، منظم اور محتاط طریقے سے الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ اب تک اس محاذ پر جو ادارہ حال ہی میں کھل کر سامنے آیا ہے وہ جنابِ محترم ڈاکٹر قمر زمان کا سلسلۂ دعوتِ قرآنی ہے، جو آستانہ (aastana.com) کے نام سے ویب سائٹ اور بلاگ کا انتظام و انصرام چلا رہا ہے۔ یہ عاجز و گنہگار بھی حقیقتِ حال کے افشاء ہونے سے قبل تک کچھ عرصہ اس ادارے کی علمی مہمات میں شامل رہا ہے۔ اور یہاں کی لحہ بہ لحہ بدلتی صورت حال کا اندرونی طور پر ادراک رکھتا ہے۔

قارئین، کیونکہ درج بالا بیان کو ایک سنگین الزام تراشی بھی سمجھا جا سکتا ہے اس لیے اس مباحث کے آغاز میں ہی، یہ عاجز "دو جمع دو چار" کے ریاضی کے سادہ ترین کلیہ پر مبنی دو ٹوک اصول کے ذریعے، مختصراً اپنے بیان کو فیصلہ کن انداز میں فی الفور ثابت کر دیتا ہے۔ علمی مباحث اور حوالوں سے موقف کو ثابت کرنے کا پہلو ما بعد آنے والے صفحات کے لیے چھوڑتے ہوئے، اس عاجز کی طرف سے درج بالا انکشاف کو درست ثابت کرنے کے لیے صرف ایک ہی دلیل کافی ہو گی۔ التماس ہے کہ نہایت سنجیدگی سے درج ذیل وقوعہ پر غور فرمایئے گا۔

آستانہ بلاگ کو دہریت کی طرف بڑھتے دیکھ کر، اور یہ خصوصی طور پر نوٹ کرنے کے بعد کہ یہ مخصوص دہریت پرست گروپ تمامتر ایجنڈا مخالف استدلال، حتیٰ کہ قرآنی حوالہ جات کو بھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھتا، اور انہیں یکسر نظر انداز کرتے ہوئے "اندھے کی لاٹھی" چلانے والے اصول پر گامزن ہو چکا ہے، اس عاجز نے حال ہی میں علمی اور سائنسی بنیاد پر خالق کائنات کے وجود کو پندرہ قسطوں پر مشتمل ایک مقالہ بلاگ پر پوسٹ کرنے کے ذریعے سیر حاصل طریقے پر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ اقدام ادارے کو سخت ناگوار خاطر ہوا۔ اسی آزادیِ رائے کے حامی "جمہوری" آستانہ بلاگ پر، اولاً تو خود محترم ڈاکٹر صاحب موصوف نے علومِ سائنس کی بنیاد پر بات کرنے کی ممانعت کر دی۔ بعد ازاں، اِس عاجز کے انفرادی تحریری ریکارڈ سے، اس خاص مقالے کو، بمع اس عاجز کے گزشتہ چھ ماہ کے مندرجات کے، سراسر حذف

(delete) کر دیا گیا۔ حالانکہ موصوف اسی بلاگ پر ایک سے زیادہ مرتبہ علی الاعلان یہ موقف دہرا چکے ھیں کہ اس بلاگ پر کوئی بھی تحریر، سوائے غیر اخلاقی زبان کے، مٹائی یا بلاک نہیں کی جاتی۔ ملاحظہ فرمایئے بیانات:-

AASTANA IS THERE FOR ALL OF YOU TO EXPRESS VIEWS:

…………………………………………….

Aastana is there for all of you to express your views .I am sure a time wil come when you and others will decide about the correct interpretations of different verses. Date: 7/5/2011

ترجمہ: " آستانہ آپ سب کے لیے حاضر ھے کہ اپنے اپنے نظریات کھول کر بیان کریں؟"

NOTHING IS BLOCKED AT AASTANA

…………………..this blog is open to everybody to express whatever he wants to put ,and so you are welcome.No permission is needed.

The beauty of Aastana .com is that nothing is blocked on its Blog . Date: 29/12/2010

ترجمہ: " آستانہ کی خوبصورتی یہ ھے کہ اس کے بلاگ پر کوئی تحریر روکی نہیں جاتی؟"

تو پھر ایک خالص علمی مقالہ، جس کا ھدف ذاتیات بھی نہ تھی، کیوں مٹایا گیا؟------ قارئین، اس اقدام کی جو وجہ بھی گھڑی جائے یہ بات اظہر من الشمس ھے کہ "خالق کے وجود کا علمی اور سائنسی اثبات" صرف" دہریوں " ہی کیلئے ناقابلِ قبول ہو سکتا ھے۔ اور بلاخوفِ تردید یہ کہا جاسکتا ھے کہ ایسی تحریر صرف وہی ادارہ صفحات سے غائب کر سکتا ھے جس کے بنیادی عقائد و موقف خالق کے وجود سے انکار پر مبنی ہوں۔

مذکورہ ادارے کے اس اقدام کے بعد اس حقیقت کو جاننے کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں کہ اس ادارے کا ایجنڈا دہریت و مادیت ھے اور یہ کہ اللہ کے وجود کا خالق کی حیثیت سے اثبات اس نام نہاد قرآنی ادارے کے عزائم و ایجنڈے سے قطعی مطابقت نہیں رکھتا۔ مذکورہ مقالہ انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا۔ موضوع تھا: کائنات اوراللہ، عظیم ابدی حیات۔(Universe & GOD – The Absolute Consciousness)۔اس عاجز کے پاس محفوظ ھے ۔ناقابلِ تردید حقائق پر مبنی ھے۔ طلب کرنے پر نقول فراہم کی جاسکتی ھیں۔ دیگر قرآنی ویب سائٹس پر اپ لوڈ کرنے کی تیاری کی جارہی ھے۔

عاجز کے اس نظریے کو تقویت اور وثوق اس نادر الوجود حقیقت سے بھی ملی ھے کہ مادیت کے فلسفے کا پرچار کرنے کیلئے موصوف نے قرآن ہی کا انتخاب کیوں کیا؟ جبکہ:-

- فلسفۂ مادیت کے حق میں مغربی مفکروں کی ان گنت تحریریں اور کام موجود ھے۔ اس لیے یہی سہل اور قرینِ عقل تھا کہ مغربی مادہ پرست لٹریچر کو راہنما و نصب العین بنایا جاتا؟
- تاریخ شاھد ھے کہ ایسی شاید ہی کوئی مثال مل سکے کہ آج تک کسی مفکر یا فلاسفر نے کسی دینی / الہامی کتاب کو اعلیٰ روحانی اقدار کی نفی اور خالص مادی فلسفے کے پرچار کے لئے استعمال کیا ہو۔ تب پھر موصوف ڈاکٹر صاحب کے ذہنِ رسا میں قرآن جیسی مفصل ترین الہامی کتاب کو مادیت کے فروغ کے لیے استعمال کرنے کا اچھوتا خیال کیسے آ سکتا تھا ؟
- رہ گئی انسانی حقوق اور انصاف پر مبنی سوشل / سماجی سسٹم کی بات تو اس کے شعور اور حصول کے لیے بھی یوروپین اقوام کے ویلفیر سسٹم، اور حقوقِ انسانی کے دعوے دار مثالی نظامہائے حکومت، عملی طور قائم ھیں جنھیں ہم سب تسلیم کرتے ھیں اور ان کے حق میں دلائل دیتے نہیں تھکتے۔ ہم سب کی آل اولاد یا قرابت دار اور ہم وطن ان اقوام سے بھرپور استفادہ کرنے میں کئی نسلوں سے مصروف ھیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کو ایک ۱۴۰۰ سالہ قدیم کتاب یعنی قرآن ہی کی سمت توجہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ سکتی تھی؟
- کیا اقوامِ متحدہ کا انسانی حقوق کا عظیم چارٹر بھی اس میدان میں مکمل اور تیار راہنمائی فراہم نہیں کر سکتا تھا ؟

مندرجہ بالا نکات کو سامنے رکھتے ہوئے، قرآن کو ٹارگٹ { ھدف } بنانا یقینا ایک خاص ایجنڈے کی نشان دہی کرتا ھے۔ قرآن کے علمبردار حلقوں کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ھے۔

آئندہ سطروں میں معاملے کی سنگینی قارئین پر پوری طرح واضح کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ البتہ نہایت ادب کے ساتھ ملتمس ہوں کہ یہ تحریر کسی کی آزادانہ سوچ پر کوئی قدغن یا پابندی کے ضمن میں باور نہ کی جائے۔ نہ ہی اسے کسی بھی قسم کی الزام تراشی یا انتقامی کاروائی سمجھا جائے۔ یہ صرف حقیقتِ حال کی عکاسی کی ایک بے لاگ و لپیٹ کوشش ھے جسے متبادل زاویے سے دیکھنے پر غلط رنگ میں آسانی سے لیا جا سکتا ھے۔ لیکن اس عاجز کا یقینِ کامل ھے کہ ہم سبھی نے، جو بھی

حیاتِ آخرت پر یقین محکم رکھتے ھیں، اپنے رب کو منہ دکھانا ھے { لقائے رب: ۲/۲۲۳، ۲/۲۴۹، ۶/۳۱، ۶/۱۵۴، ۷/۱۰، ۱۰/۱۱، ۱۰/۴۵، ۱۰/۲۹، ۱۱/۲، ۱۳/۱۱۰، ۱۸/۲۳، ۲۹/۸، ۶۲/۶، ۸۴/ } ، جہاں ہمارے اعمال کو میزان میں تولا جائیگا اور ہماری غیر مادی، روحانی وجود (meta-physical or quantum-physical existence) کو ہمارے کیے کی سزا یا جزا ملے گی۔ آیت مبارکہ ۱۳/۱۷:

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا۔

{اور ہر انسان کے لیے ہم نے اس کی کارکردگی کا حساب اس کی گردن کے اندر لٹکا، یا چپکا دیا ھے اور اسے اٹھائے جانے والے دور میں اس کے سامنے لے آئینگے۔ اسے وہ کھلے ہوئے صفحوں پر لکھا ہوا دیکھے گا}۔

اور سزا کی انتہائی لرزہ طاری کر دینے والی صورتِ حال کچھ اس طرح ہو گی:-

آیت: ۱۴/۱۷ :-

يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ

ترجمہ: "۔۔۔۔۔۔موت ہر سمت سے اس کی طرف آ رہی ہو گی مگر وہ نہ مر سکے گا۔ جبکہ ایک بھاری عذاب اس کے پیچھے لگا رہیگا۔"

محترم قارئین، میزان میں تولنا بیشک استعارہ ھے، لیکن ہر عمل، ہر سوچ اور ہر احساس کا انسانی لاشعور میں ایک انمٹ، ہمیشہ تازہ اور مکمل ریکارڈ مرتب ہو جانا نفسیات کی سائنس سے ثابت ہو چکا ھے [سیگمنڈ فرائڈ و دیگر] اور یہ علم اس قرآنی استعارے کو، دیومالائی ترجمانی سے دور، ایک جدید عملی ہیئت عطا کرتا ھے۔ درج بالا استعارہ جسمانی موت کے بعد زندگی کے تسلسل کا مضبوط جواز بھی فراہم کرتا ھے۔ خالق کی یہ شان ھے کہ اس کا استعمال کیا ہر استعارہ اور تمثیل جدید مسلمہ علوم کی روشنی میں ایک مجسم یعنی حقیقتِ ثابتہ کی شکل اختیار کر لیتا ھے ۔ یہ اس قولِ واثق کے مصداق ھے جو آیت: ۵۳/۴۱ میں ارشاد فرمایا گیا ھے:-

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ

ترجمہ: ہم انھیں کائنات میں اور ان کے ذاتی وجود کے اندر اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں گے یہاں تک کہ وہ [قرآن] ان کے لیے کھول کر واضح کر دے کہ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ھے ۔

نیز ارشاد باری تعالی یہ بھی ھے:- آیت مبارکہ: ۸-۷/۹۹ :

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۔ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

ترجمہ: پس جو کوئی بھی ذرہ برابر وزن عمل خیر سر انجام دے گا اسے سامنے پائے گا، اور جو کوئی بھی ذرہ برابر وزن عمل بد کا ارتکاب کرے گا، اسے بھی اپنے سامنے دیکھے گا۔

کہاں دیکھے گا؟ دنیاوی زندگی میں تو ہم دولت مند، ظالم اور شر پسند لوگوں اور لاکھوں انسانوں کے قاتلوں کو بھی مکافاتِ عمل کا شکار ہوتے نہیں دیکھتے۔۔۔ تو پھر کیا خالق کا یہ فرمان جھوٹا ھے؟ بیشک نہیں۔ زندگی کا آخری دور ابھی آنا ھے اور یہاں بظاہر بچ جانے والے اس دوسرے اور آخری دور [یوم الآخر] میں مکافات کا سامنا کریں گے۔ اور خالق کا فرمان اسی آخری دور میں نتیجہ خیز ثابت ہو گا، جیسا کہ اس کا حتمی فرمان ھے۔ اور " وہ اپنے وعدے / قول / قرار کے خلاف نہیں کرتا"۔

فلہذا، تحریر ھذا قرآن کریم کی خالص مادہ پرستانہ ترجمانی کرنے کی اس منظم کوشش کو عوام الناس کے سامنے فیصلہ کن انداز میں لانے کا واحد مقصد رکھتی ھے۔ اس لئے یہ اس تعمیری مقصد کے تحت صرف اس حقیقت کو ثابت کرنے کی ایک حقیر کوشش ھے کہ مادیت پرستی اور دہریت کا ایجنڈا ایک باطل مغربی پروپیگنڈا ھے اور قرآنی تعلیمات کی آڑ لے کر اس کو پھیلانے کی کوشش اسلام دشمنوں کی اعانت سے کی جا رہی ھے۔ اور یہ کہ الہامی ہدایت صرف خوشحال مادی زندگی گزارنے کے اجتماعی اصول و ضوابط تک محدود نہیں ہوتی بلکہ ایک عظیم اور ہمہ گیر غیر مادی یا روحانی تناظر (spiritual/conscious perspective) رکھتی ہے۔ یہ انسان کو صرف انصاف پر مبنی حکومتی نظام قائم کرنے کی ہی ہدایت نہیں دیتی، بلکہ انفرادی طور پر بھی ہر ذی روح کو حیاتِ ابدی کیلئے تیاری، یعنی نفس (self/consciousness) کے ارتقاء کا مواد فراہم کرتی ھے تا کہ وہ خالق کے مقرر کردہ اس آئیڈیل پر پورا اتر پائے جو خود خالق کی صفات پر مبنی ھے۔{ ۶۷/۲ : الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا } یہ

ہدایتِ آسمانی، حیاۃ الدنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی زندگی کے انعامات وتعزیرات کا ذکر بھی کرتی ھے۔ نیز یہ کہ انسانی کا حقیقی نصب العین اسی حیاتِ آخرت میں سرفرازیوں کا حصول ھے کیونکہ حیاتِ آخرت اس زندگی کی اگلی لازمی، ابدی اور لامتناہی کڑی ھے، اور اسی مقصد کیلیئے اسے متعلقہ راہنمائی دی گئی ھے۔ اور یہ بھی کہ وحیِ ربانی کے ذریعے خالق نے حضرتِ انسان سے اپنا دائمی اور مسلسل تعلق قائم رکھا ھوا ھے۔ مت بھولیے کہ اللہ تعالیٰ الرحمان والرحیم ھے اور رحمان ورحیم کا مادہ "ر ح م" ھے جس سے رُحمُ (Ruhmun) بھی مشتق ھے جس کا معنی "رشتہ، تعلق، قریبی رشتہ داری، پیدائش کے ذریعے تعلق، کسی بزرگ کے ذریعے رشتے داری وغیرہ" ھیں۔ ارحام { جمع } اور اولی الارحام {مرکب:۔ قریبی تعلق والے، رشتے دار، قرابت دار} بھی اسی سے مشتق ھیں۔۔ نیز مادہ پرست دوستوں کو یہ بھی بتانا مقصود ھے کہ:

جوہرِ انسان عدم سے سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ھے، فنا ہوتا نہیں

{ اقبال}

-.-

مادہ پرستی پر مبنی قرآنی تعبیرات

زمینِ چمن گل کھلاتی ھے کیا کیا   بدلتا ھے رنگ آسماں کیسے کیسے

وقت کا کاروان نت نئے سنگ ہائے میل عبور کرتا، جادہ پیمائی میں مصروف ھے۔ یہ سفر پیہم ہر دم نئی سرزمینوں سے آشنائی فراہم کرتا اور فکر و نظر کے نئے شگوفے کھلاتا منزلِ مقصود کی سمت گامزن ھے۔ روز و شب کی اس گامزنی میں وقفہ کی مہلت ناپید اور ستانے کی ایک گھڑی بھی نصیب نہیں۔ جو پیچھے رہ گیا، گویا جہیم کا شکار ہو کر فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ یہاں فکری صداقتوں کی انقلاب انگیز روشنیاں بھی ھیں اور راہ سے بے راہ ہو جانے کا سامان بھی، کیونکہ ژولیدہ فکری، اکابر پرستی، خواہش پرستی اور التباس و اشتباہ کی کارفرمائیاں بھی جاری ھیں۔ صحیفۂِ آسمانی، یعنی کتابِ ھدایت اپنی اصل شکل میں موجود تو ھے مگر اس کے معانی و تشریح کی متنوع اشکال جو مختلف مکاتیب فکر کی ترجمانی کرتی ھیں، عوام الناس کے لیے حقیقتِ ابدی تک پہنچ پانے کے سفر کو مشکل تر بنائے دیتی ھیں۔

یہ درست کہ روایت پرست تراجم و تفاسیر کو، جو دین اللہ کی مذہب سازی کا شاخسانہ تھا، رد کیے ایک عرصہ گزرنے کو آیا، لیکن روشن خیال، خالص قرآنی مکتبِ فکر کے داعیان کو سر سید اور ان کے ہم عصر اکابرینِ ملت کی عظیم کاوشوں کے آغاز سے لے کر آج کے دن تک کوئی متفقہ، ہمہ گیر، بنیادی اور آفاقی معیار (criterion/ yardstick) نصیب نہ ہو پایا کہ جس کے خطوط پر مبنی قرآنی تراجم کو درست قرار دے کر بے چون وچرا قبول کر لیا جاتا۔ نیز نئے علمی انکشافات کی رو سے جب بھی تراجم کو کوئی نئی جہت (new dimension) دی جاتی، یا بالفاظ دگر، اپ ڈیٹ (update) کیا جاتا، تو اس کا بھی کوئی متعین لائحہ عمل موجود ہوتا۔ ایسا معیار متعین کرنا مستقبل قریب میں بھی ناممکن نظر آتا ھے کیونکہ اس میدان میں ایک با اختیار عالمی ادارے کی غیر موجودگی کے سبب کسی بھی لائحہ عمل پر متفق ہونا مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ شخصی آزادیِ اظہار پر پابندی پر محمول کر لیا جائے گا۔ نتیجتاً نت نئی موشگافیاں جاری ھیں۔ ایک ہی ترجمے میں کہیں تو عقلی دلائل انسان کو بے ساختہ متفق ہونے پر مجبور کر دیتے ھیں، تو کہیں اور، کھینچ کھانچ کر تراجم کو ذاتی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ کرنے کی تگ و دو صاف نظر آنے لگتی ھے۔ کہیں تو فرسودہ عقائد کے آثار و باقیات نمایاں ھیں، اور کہیں جدیدیت و آزاد خیالی، دہریت کی سمت راہنمائی کرتی نظر آتی ھے۔ کہیں غیر جانب دار عقلِ سلیم کی کارفرمائیاں ھیں، تو

کہیں مادہ پرستی کے سبب حیاتِ آخرت کو بھی مادیت کا لبادہ پہنانے کی کوشش جاری ہے۔ یعنی موجودہ مادی یا طبیعی سطح سے بلند تر سطحِ زندگی کے تصور کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے، اسی مادی سطحِ زندگی کی خوشحالی کو نصب العین قرار دیا جارہا ہے۔ کہیں ثوابِ آخرت منزلِ مقصود ہے، تو کہیں صرف اِسی طبیعی زندگی کا امن، انسانی حقوق، یا زیادہ سے زیادہ، مبنی بر انصاف حکومتی نظام کا قیام مقصدِ حیات قرار دیا جارہا ہے۔

اس صورتِ حال میں یہ عاجز اس خیال کا حامی ہے کہ کم از کم یہ کوشش تو کی جاسکتی ہے کہ قرآن جیسے اہم ترین ابدی، آفاقی اور الہامی جریدے پر دست آزمائی کا حق صرف ان تسلیم شدہ "دانشوروں" کو دیا جائے جو روحِ عصر کے تقاضوں اور جدید ترین علوم کی تمام جہتوں سے کاملاً متعارف ہوں۔ ان کا ذہنی افق یا کینوس اتنا وسیع ضرور ہو کہ انسان، زندگی، دنیا، تاریخ، علومِ بشریات و اجتماعیات، نفسیات، طبیعی قوانین، روحانی یعنی اعلیٰ شعوری اقدار، کائنات کی وسعتیں اور تکوینی مراحل، اور اس سے بھی ماوراء، خالق کی بے پناہ قوتوں کی دسترس اور رسائی کے پسِ منظر میں اس عظیم ہستی کے تخلیقی پلان اور آئیڈیل کا احاطہ کر سکے۔ اسے زندگی کی تخلیق کے مختلف مراحل، ان کی حقیقت، ماہیت اور خالق کے مقرر کردہ اسکے نصب العین سے آگہی ہو۔ اسے مادے، توانائی، حرکت، تخلیق کے مختلف درجات کی شعوری سطح، خودی، فنا و بقا کے اسرار و رموز سے روشناسی ہو۔ وہ حقیقت میں قرآنی اولی الباب { دیکھیں آیات: ۱۹۰/۳، ۲۱/۳۹ } کے زمرۂ خاص سے تعلق رکھتا ہو۔ قرآن فی الحقیقت ان تمام امور کے بارے میں درست ترین تبصرے کرتا یا اشارے دیتا ہے، اسی لیے وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ قرآن کا فہم دراصل اہلِ علم ہی کے لیے ہے { لِقومٍ یعلمون– li qawmin ya'lamoon} ، جو نہ صرف اس الہامی وثیقے کو رموزِ کائنات کے وسیع تر تناظر میں سمجھ سکتے ہوں بلکہ عوام الناس کو سمجھا بھی سکتے ہوں۔ عاجز کے اس بیان کی تحقیق کے لیے اس ضمن میں دیکھیے آیات مبارکہ: ۲/۲۳۰، ۶/۱۰۵، ۷/۳۲، ۹/۱۱، ۱۰/۵، ۵۲/۲۷، ۲۹/۶۴، ۲۸/۳۵۔

خالق کا یہ فرمان بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ اس نے یہ سب کچھ بے کار اور فضول تخلیق نہیں کیا۔ یعنی اس کے پیچھے اربابِ دانش کے غور و فکر کے لیے ایک مربوط اور ہمہ گیر پلان موجود ہے { آیات مبارکہ: ۳/۱۹۱، ۳۸/۲۷ }۔

یہ عاجز ہر چھوٹے بڑے کے لیے از حد احترام اور خلوص کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ صرف عربی زبان اور گرائمر کا علم خالق کی ہمہ گیر، عظیم الشان، آفاقی اور عہد آفریں ھدایت کی ہمہ گیر ترجمانی کرنے کیلئے کافی وسعت نظر فراہم نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو عربی ادب (literature) یا لسانیات (linguistics) کے نامور ماہرین یقینا قرآنِ حکیم کے بہترین

مترجم و مفسر ہوتے۔ نیز امتِ مسلمہ میں موجود تمام علماؔ حضرات، جن کی بنیادی تعلیم ہی عربی زبان و گرائمر سے شروع کی جاتی ھے، یقیناً بہترین قرآنی مترجم ہوتے۔ لیکن صورت حالات اس کے برعکس ھے۔ در حقیقت قرآنی ترجمہ اور اس کی وضاحت عربی گرائمر کے ساتھ ساتھ ایک وسیع ترین اور اعلیٰ سطحی مطالعاتی پسِ منظر کا متقاضی ھے کیونکہ یہ آج کے بلند ترین علمی دور کا اولین لازمہ ھے۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ ازمنہِ وسطیٰ میں جب علوم اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھے تو رسالت مآب نے کیسے قرآن کی درست تعلیم عام کی تھی۔ تو عرض ھے کہ صاحبِ قرآن، بذاتِ خود، قرآن کی تشریح و توضیح اپنے ہم عصر عوام الناس کے سامنے اس لیے بخوبی پیش کر پائے تھے کہ وہ اپنے خالق کی اعانت سے علم کے میدان میں " افق الاعلیٰ" [۵۳/۷] اور " سِدرۃ المُنتہیٰ" [۵۳/۱۴ : وہ مقام حیرت جو انسانی علم کی انتہاء ھے] کی منزل پر پہنچا دیے گئے تھے اور " ملکوت السماوات والارض" [۶/۷۵] کا کھلا مشاہدہ کرنے کے بلند درجے سے بھی گزر چکے تھے، جیسا کہ انبیاء کی فضیلت اور فرضِ منصبی کا تقاضا ھوتا ھے۔ یہ انسانیت کی تیرہ بختی تھی کہ رسالتمآب کی زبانی کی گئی تشریح آئندہ آنے والے پچاس سال بھی قائم نہ رہنے دی گئی۔ اس ضمن میں یہ کمترین الاستاد علامہ غلام احمد پرویز کی ہمہ جہت علمی شخصیت کو، عصری تقابل کے لحاظ سے، درج بالا ہمہ گیر علمی معیار کی حدود سے قریب تر باور کرتا ھے اور مفسرِ قرآن کے طور پر ان کی مسلمہ اہلیت اور قابل قدر کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتا ھے۔

آیئے اب تفصیل میں دیکھتے ھیں کہ محترمی فاضل ڈاکٹر صاحب موصوف کا، صِرف گرائمر کی محدود اساس پر کیا گیا مخصوص ترجمہِ قرآن مغربی مادہ پرستی کے کس عہدِ کہنہ { قدیمی دور }، یا دہریت کے کس تاریک غار کی سمت کاروانِ انسانیت کے ارتقائی سفر کا رخ موڑتا نظر آتا ھے، کیونکہ آج تو جدید "ترقی یافتہ نسلِ انسانی" بھی مادیت پرستی اور سیکیولر ازم کے تخریبی فلسفے سے پیدا شدہ خود غرضی اور بے حسی کے ہولناک نتائج سے بے زار، جوق در جوق، اعلیٰ روحانی اقدار، خود آگہی، وجدان اور تصوف کے میدانوں میں پناہ تلاش کرتی نظر آتی ھے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے موضوعاتی تصانیف کے علاوہ مربوط قرآنی ترجمہ شائع کرنے کا آغاز بھی کر دیا ہے۔ ان کی اس ضمن میں واضح اور دوٹوک رائے (conviction) کچھ اسطرح ھے:-

- قرآن ایک حقوقِ انسانی کی کتاب ھے۔
- میرا مشن قرآن کا ایسا ترجمہ کرنا ھے جو خالص عربی زبان و گرامر کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ہو۔ کسی بھی غلطی کے سامنے آنے کی صورت میں درستگی کے لئے حوالوں کیساتھ اعتراضات بھیجے جاسکتے ھیں۔

بالکل درست۔۔۔۔۔ البتہ پہلا نکتہ محترم کے ذاتی عقیدے (conviction) سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ کوئی قرآنی سند نہیں رکھتا اور خود ساختہ (pre-conceived) کہلائے گا۔۔۔ اور۔۔۔ یہی قرآن کی مادیت پرست ترجمانی کا نقطہءِ آغاز قرار دیا جاسکتا ھے اس لیے کہ موصوف انسانی حقوق کو صرف دنیاوی تناظر اور جسمانی زندگی کے تقاضوں کی روشنی میں ہی دیکھتے ھیں۔ تفصیلی تجزیہ اور گزارشات آئندہ صفحات میں " عقیدہ نمبر ا " کے عنوان کے تحت آئینگی۔

دوسرے نکتے سے بادیءالنظر میں قطعاً اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ہم دیکھیں گے کہ کہاں کہاں عربی گرامر کا استعمال – اور اسکے ساتھ ساتھ – لغوی معانی کی وسیع حدود کی دست برد، نکتہِ اول میں بیان کردہ عقیدے، یا پالیسی کے تقاضوں کے تحت اور فاضل مترجم کی ذہنی حدود کے زیرِ اثر اور فکر کی ایک خاص متعین سمت کے مطابق کی گئی ھے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ استادانِ فن کا ذاتی عقیدہ اور سوچ فن پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ زبان و بیان کی ترجمانی عموماً صاحب قلم کی ذہنی حدود اور ذاتی عقیدے اور سوچ کے اندر مقید رہنے پر مجبور ہوتی ھے۔ اسی لیے ہر صاحب تحریر کے لیے لامحدود ذہنی وسعت اور بے لاگ غیر جانبداری اشد ضروری ہونی چاہیئے۔ کم از کم ذاتی عقائد کے اعلان سے ہی پرہیز کر لیا جائے تو صاحب قلم کم از کم درجہ بندی کی چھاپ کی زد میں آنے سے محفوظ رہ سکتا ھے۔ یہ اس عاجز کی ذاتی رائے ھے۔ اتفاق ضروری نہیں۔ اقبال کی دوربین و نکتہ رس نگاہ نے قرآنی فہم و فلسفہ کے ضمن میں اپنی غیر جانبدار آفاقی پالیسی کا خوبصورتی سے اظہار کر دیا تھا جو پیشِ خدمت ھے:-

نہ میں عجمی، نہ ہندی، نہ عراقی نہ حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی دو جہاں سے بے نیازی

موصوف کا جاری ترجمہ انہی دو مذکورہ اصولوں پر مبنی ھے۔ البتہ کچھ دیگر پالیسی نکات / عقائد (convictions) بھی ان کی تحریروں سے آخذ کیے گئے ھیں، جو سیر حاصل بحث کے متقاضی ھیں اور اگلے صفحات میں تفصیلاً درج کر دیے گئے ھیں۔ آیئے اب نمبروار موصوف اور ان کے ادارے کی پالیسی کا تجزیہ کر لیتے ھیں تا کہ اس ایجنڈے کی اصلیت کھل کر سامنے آجائے جس پر یہ عمل پیرا نظر آتے ھیں اور جس کا انکشاف کرنا اس مقالے کا بنیادی مقصد ھے۔

کیونکہ یہ عاجز بے شمار ساتھیوں کے سامنے اس جماعت کے فلسفے کے ضمن میں خود کو جوابدہ پاتا ھے، اس لیے عاجز کو نہایت دیانت داری کے ساتھ یہ فیصلہ درپیش ھے کہ ہم جھوٹ کی دکانیں کھولیں یا زندگی کو سچ کی میزان پر تولیں۔ اور فیصلوں سے فرار نے بھلا کس نسل کو پروان چڑھایا ھے کہ ہمیں راس آسکے ؟ اس لیے آیئے فیصلوں کی سمت آگے چلتے ھیں۔

آستانہ کے مسلمہ عقائد

عقیدہ نمبر ۱

قرآن انسانی حقوق کی کتاب ھے۔{یہ حقوق ایک انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کر کے حاصل کئے جاتے ھیں۔}

عقیدہ نمبر ۲

قرآن دراصل فطرت (nature) کے اسرار ھیں جو فطرت کسی نابغہ روز گار (genius) یعنی عالم اور ذہین و فطین شخص پر آشکار کر دیتی ھے۔ یہ " وحی" کی حقیقت ھے۔

عقیدہ نمبر ۳

قرآن کسی حیات بعد الموت کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ صرف اسی زندگی کی بات کرتا ھے۔

عقیدہ نمبر ۴

مسلمانوں کے نبی محمد اور دیگر انبیاء کرام کسی مخصوص حقیقت، شخصیت اور وجود کا نام نہیں ھے۔ ان کے نام دراصل generic templates ھیں۔{ قارئین، اس انگریزی اصطلاح کا لغوی معنی ھے: " دھات، پلاسٹک یا کاغذ کا بنا ایک مخصوص پیٹرن یا سانچا"۔} ۔ ہر نام ایک انسان کا نہیں، بلکہ ایک صفت کا نام ھے۔

عقیدہ نمبر ۵

غیب کا معنی "قدرت کے پیمانے" ھیں۔

عقیدہ نمبر ٦

قرآن میں موت کا ذکر اکثر و بیشتر صرف قوموں کی موت / ناکامی کے ضمن میں ہی آیا ھے۔ جسمانی موت کا ذکر نہیں ھے۔ "الموت" کا معنی ناکامی یا شکست وزوال ھے۔

عقیدہ نمبر ۷

قرآن میں زنا کا لفظ صرف "دین کے بگاڑ" کے معنی میں آیا ھے، جنسی تناظر میں نہیں۔ نیز ناجائز جنسی تعلق کے بارے میں کوئی ہدایات یا تعزیرات نہیں بتائی گئیں۔

عقیدہ نمبر ۸

تاریخ کو کوئی حقیقت نہیں ھے۔ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ھے۔ اس کو تاریخی تناظر میں دیکھنا غلطی ھے۔

عقیدہ نمبر ۹

" محیض " عورتوں کے حیض کو نہیں کہا گیا بلکہ جنگوں میں خون کے بہنے کا ذکر ھے، کیونکہ عبارت کے سیاق و سباق میں جنگوں کا ہی ذکر ھے۔

عقیدہ نمبر ۱۰

قرآن ان چیزوں کے بارے میں بات نہیں کرتا جو ثابت نہ کی جاسکیں یا ہمارے ادراک اور فہم سے بالاتر ہوں۔

عقیدہ نمبر ۱

- " قرآن انسانی حقوق کی کتاب ھے"۔ یہ حقوق ایک انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کر کے حاصل کئے جاتے ھیں۔؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

کیا واقعی۔۔۔" قرآن انسانی حقوق کی کتاب ھے" ؟: کم از کم قرآن میں متکلم کی ذات عالی نے یہ الفاظ، یا ان کے ہم معنی کوئی مرادفات، اس عاجز اور اس کے قریبی قرآنی حلقے کے علم کی حد تک، کہیں بھی بیان نہیں کیے ھیں۔ لہذا یہ خالصتاً ذاتی نوعیت کا عقیدہ باور ہوتا ھے۔ موصوف کی تحریروں میں اور ویب سائٹ پر اس عقیدے کی تکرار نظر آتی ھے ،یہی موصوف کی تمام تر قرآنی تحقیق کے ماحصل کے طور پر پیش کیا جاتا ھے، اور اسی عقیدے کے تحت یا زیرِ اثر موصوف کے تمام تراجم پیش کیے جاتے ھیں۔

لیکن تعجب کی بات ھے کہ عوام الناس کو بطور خاص یہ تلقین کرنے والے موصوفِ محترم، کہ ہر بات قرآنی استدلال سے کرنی چاہیے، خود اپنے اس عقیدے کے ثبوت و جواز کے لیے کوئی قرآنی نص پیش نہیں فرماتے۔ قرآن میں تو "حق" بمعنی "واجب" کی بات صرف اللہ کے حق کے سلسلے میں کی گئی ھے { دیکھیں آیت ۶/۱۴۲ } ؛ یا پھر اصحابِ ثروت کے اموال میں "ذی القربیٰ، سائل و مسکین کے حقِ معلوم" کی بات ھے { دیکھیں آیات: ۳۸،۱۷/۲۶، ۳۰/۱۹،۳۰، ۵۱/۱۹، ۲۵-۲۴/۷۰ }۔ یہ دونوں مواقع ایک واحد اصول کی بات کرتے ھیں، یعنی معیشت کے میدان میں غریب کی بھی حصہ داری کا احساس موجود رھے۔ یہ کون سے دیگر "حقوق" ھیں جن کی بناء پر قرآن کو متواتر "انسانی حقوق" کی کتاب کہا جا رہا ھے ؟ گمانِ غالب یہی ھے کہ:-

- موصوف کی نظر میں فلسفہِ جمہوریت اور اس کے تحت سیکیولر مغربی اقوام کا "انسانی حقوق" کا نمائشی غلغلہ ھے جو اپنی اصل میں حقیقتاً اُن کی اپنی قوم کے بلاشرکتِ غیرے (exclusive)، انتہائی خود غرضانہ، "قومی حقوق" ھیں۔ انسانی سطح پر تو یہ اقوام آج بھی آتشی ہتھیاروں کی برتری کی بنیاد پر کمزور اقوام کے قتلِ عام میں مصروف ھیں۔

۔ یا پھر اقوام متحدہ کا، اب تک صرف تھیوری پر مبنی، یا صرف کاغذ پر لکھا، "انسانی حقوق" کا چارٹر ھے جسے وہ قرآن پر زبردستی لادنے کی خواہش رکھتے نظر آتے ھیں۔

اقبال کی فکر سے دو عدد اشعار اس جمہوریت اور ان حقوق کے بارے میں پیشِ خدمت ھیں:-

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طبِ مغرب میں مزے ھیں میٹھے اثر خواب آوری

یہاں غور فرمایئے اور نوٹ کیجیے، اور یہ عاجز ما قبل میں بھی یہ عرض کر چکا ھے، کہ کس طرح قرآنی تراجم اور تفاسیر کو، بغیر کسی سند و جواز، ذاتی اغراض و ایجنڈے کی لائن پر چڑھا دیا جاتا ھے۔ یہاں تو واضح طور پر سیکیولر مغربی ایجنڈا نمایاں ھے۔

آیئے "حق" سے متعلقہ دیگر آیات میں حق کا معانی چیک کر لیتے ھیں:

[۱] حق، حقیقت یعنی reality، اور سچ یعنی truth، کے معنوں میں آیا ھے { ملاحظہ کریں آیات: ۸/۷، ۱۰/۵۳، ۱۱/۱۷، ۲۹/۶۸، ۳۸/۶۴، ۴۷/۲-۳، ۵۱/۲۳، ۵۶/۹۵، ۶۹/۵۱ – دیگر بہت سی آیات طوالت کے خوف سے درج نہیں کی جا رہیں} ،

[۲] حق بمقابلہ "باطل" آیا ھے { ملاحظہ فرمائیں آیات: ۸/۷-۸، ۱۷/۸۱، ۱۸/۵۶، ۱۳/۱۷، ۲۱/۱۸، ۳۴/۴۸-
۹، ۴۰/۷۸، ۴۲/۲۴، ۴۰/۵، ۴۰ودیگر} اور

[۳] حق، "حقیقتِ کائنات" کے تناظر میں استعمال ہوا ھے، {ملاحظہ فرمائیں آیات: ۶/۷۳، ۷/۵۴، ۱۰/۵، ۱۴/۱۹، ۱۵/۸۵، ۱۶/۳، ۲۱/۱۶-۱۸، ۲۹/۴۴، ۳۰/۸، ۳۹/۶، ۴۴/۳۸-۹، ۴۶/۳، ۶۴/۳، ۴۵/۲۲ودیگر} –

[۴] حق ہی سے مشتق "الحاقۃ" {۲۹/۲-۳} بھی استعمال ہوا ھے، جس سے مراد "الحقیقت، واقع ہونے والی بڑی بات اور مکافات" ھے۔

اور اب پیش خدمت ھے حق کی تعریف، بحوالہ تبویب از علامہ پرویز:

" ح-ق-ق- یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے جو بہت سے معانی و مفاہیم کو محیط ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود، واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ کیا جا سکے۔"

الغرض "حقوقِ انسانی" کی اصطلاح، یا اِس معنی میں مادہ ح-ق-ق کا استعمال آپ کو اغلباً قرآن میں نہیں ملیگا۔ اگر یہی موصوف کے قرآنی تراجم کی اساس و بنیاد ھے، تو پھر، قرآنی سند کی پشت پناہی کے بغیر، یہ بنیاد ہی کھوکھلی ھے، اور کھوکھلی بنیاد پر استوار ترجے و تشریح کی عمارت کسی بھی جانچ، مراقبت، تفتیش اور احتساب کے نتیجے میں کس طرح پائے ثبات پر برقرار رہ سکتی ھے؟ ناچیز کی رائے میں موصوف کا یہ بنیادی نظریہ ہی کیونکہ غیر قرآنی ھے، اس لیے ان کے اب تک کے سارے تحریری کاموں سے متعلق شکوک کا ابھرنا ایک فطری امر ھے۔ غالباً اِن کے تمام تراجم کے از سرِنو تجزیے (scrutiny) کی، ان کے اِس اساسی عقیدے کی بناپر، اشد ضرورت ھے۔

اب آیئے قارئین، اس ضروری امر کی تفتیش بھی کر لیں کہ موصوف کی "حقوقِ انسانی کی کتاب" کا نظریہ لغوی اعتبار سے باطل ثابت ہونے کے بعد، قرآن کی روشنی میں، خود متکلم کی ذاتِ عالی مقام اپنی اس کتاب کے بارے میں کیا فیصلہ دیتی ھے؟ کیا خود صاحبِ تصنیف اپنی کتاب کو "انسانی حقوق کی کتاب" کہتا ھے، یا کچھ اور؟ دیکھیے قرآن کے بالکل ابتدا ہی میں اس سوال کا مستند جواب دیا جاچکا ھے:-

آیت ۲/۲: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

ترجمہ: یہی ھے وہ کتاب جس کے بارے میں کوئی ابہام / شک نہیں، یہ ان سب کے لیے ایک ھُدًى یعنی "دائمی ضابطہِ کردار " (a time-less Mode of Conduct) ھے جو تقویٰ اختیار کرنا چاہتے ھیں۔

{ ھُدًى ھ د ی سے مصدر ھے، باب فَعُلٌ ھے، عموماً "ھدایت" کے معنوں میں لیا جاتا ھے۔ "لین" میں اسے "موڈ آف کنڈکٹ" بھی کہا گیا ھے، جو لفظ "ھدایت" کی زیادہ درست، متعین اور کامل ترجمانی ھے۔ مصدر ایک verbal nounھوتا ھے جو نہ کسی زمانے سے متعلق ہوتا ھے اور نہ اس سے کہ کون فاعل یا مفعول ھے۔ اس لیے اس کا مکمل معنی ہوگا "وقت سے مبرا، ضابطہِ کردار" ۔}

آیت ۲/۹۷ : وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ

اور یہ ایک "عہد آفرین ضابطہِ کردار" اور خوشخبری ھے مومنین کے لیے۔

آیت ۳۹/۲۳ : ذَٰلِكَ هُدَى اللَّـهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ

یہ کتاب اللہ کا دیا ضابطہِ کردار ھے، اسی سے وہ کردار سازی / راہنمائی کرتا ھے ان کی جو ایسا چاہیں۔

چند اور آیات جہاں قرآن کو راہنمائی کی کتاب کہا گیا ھے، انسانی حقوق کی کتاب نہیں:

آیت ۱۰/۵۷ :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ راہنمائی ورحمت کی کتاب

آیت ۴۶/۳۰ :

قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ سچائی اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کی کتاب

آیت ۲/۷۲ :   إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ بہتری کی طرف راہنمائی کا قرآن۔

قرآن سے ہدایت یعنی راہنمائی ملتی ہے:

آیات: ۲/۲،۷۷/۲،۷۷/۹۲/۲۷-۲۷/۹۲-

قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت / راہنمائی ہے: ۴۴/۴۱،۲۰-۱۱/۴۵

مندرجہ بالا اسنادِ قرآنی کے بعد کیا ہم قرآن کو "کردار سازی / راہنمائی کی کتاب" کہیں گے۔۔۔۔یا۔۔۔۔۔ "حقوقِ انسانی کی کتاب" ؟ ڈاکٹر صاحب موصوف کا ادارہ کس ایجنڈے پر عمل پیرا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فیصلہ کرنا قارئین کا حق ہے۔اس عاجز کے نزدیک تو ایک مترجم کے لیے یہ بنیاد ہی باطل ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی عیاں ہے کہ موصوف socio-economic justice سماجی / معاشی انصاف پر مبنی حکومتی نظام کی بھی تکرار سے بات کرتے ہیں جو ان کی فکر کے مطابق قرآن کی زیر ہدایت قائم ہوتا ہے اور انسانی حقوق فراہم کرتا ہے۔ آیئے ان کے اِس "سماجی / معاشی نظام" کی بھی جانچ پڑتال کر لیتے ہیں کہ یہ دراصل کس ماخذ کی پیداوار ہے۔

Socio-economic یعنی سماجی / معاشی نظام کی اصطلاح بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے کارل مارکس کے فلسفے سے مستعار لی ہے کیونکہ مارکسزم کی تمام تر بنیاد اسی اساس پر کھڑی نظر آتی ہے۔ لیکن موصوف کو اس کا ادراک غالبا نہیں ہے کہ تمام مادی فلسفوں میں مارکسزم بدترین فلسفہ ہے کیونکہ یہ انسان کے فلسفۂ خودی، یعنی اسکے خود آگاہ شعوری وجود سے انکاری ہے۔ بے شک، روٹی، کپڑا اور مکان زندگی کی بنیادی ضروریات ہیں اور ہم پُرزور تائید کرتے ہیں کہ یہ سوسائٹی کا اولین فرض ہے کہ ہر فرد کو یہ بنیادی ضروریات فراہم کرے۔ تاہم ہم یہ کیسے قبول کر لیں کہ جبلی خواہشات

کی تسکین ہی آئیڈیل یا مقصودِ انسانیت ھے۔ اقبال کے نزدیک بھی اشتراکیت تخریبِ محض ہے، مادیت ہے، اور زندگی کے روحانی پہلو سے انکار کرتی ہے۔ فرماتے ھیں:-

رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک — جزبہ تن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبر حق نا شناس — بر مساواتِ شکم دارد اساس
تا اخوت را مقام اندر دل است — بیخ او در دل نہ در آب و گِل است

جیسا کہ اوپر توجہ دلائی گئی، کہ اس فلسفے کا سب سے زیادہ گمراہ کن، بلکہ غارت گر عنصر، اس کا یہ دعوٰی ھے کہ انسان کی شعوری ذات یا خودی کی بذاتہِ کوئی حقیقت نہیں ھے، بلکہ یہ تو سماجی / معاشی حالات کی پیداوار یا تخلیق ھے۔ یہ فلسفہ انسانیت کو نہ صرف انسانی زندگی کے اصل مقصود سے گمراہ کرتا ھے بلکہ یہ اس شخصیت یا ذات ہی کو چھین لے جاتا ھے جو انسان کیلیئے وجہِ اعزاز اور افتخار ھے۔ اس لئے یہ انسانی ذات کو براہِ راست قتل کر دینے کے مترادف ھے، یعنی انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم۔

مارکسزم کا دھوکا اس حقیقت میں پنہاں ھے کہ یہ بہتر معاش کی انسانی خواہش کو، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے نقل کیا ھے، ہمارے بلند آئیڈیلز کی جڑ بنیاد قرار دیتا ھے۔ جبکہ حقیقت یہ ھے کہ یہ ہمارے آئیڈیلز ھیں جو ہمارے اندر معاشی خوشحالی کی خواہش کو جگاتے ہیں خواہ یہ کچھ بھی معنی رکھتی ہو اور کسی بھی قوت کی حامل ہو۔ کیونکہ انسان ابھی شعورِ کامل کی منزل تک نہیں پہنچا جہاں وہ اپنے خالق کو جان (comprehend) سکے، اس لئے کہ وہ ابھی اپنی تکمیل کے مراحل میں ھے، پس وہ اپنے خالق کی تلاش اپنے تصورات اور سوچ کے ذریعے کرتا رہتا ھے۔ انسانیت کی تاریخ اس کی فکر اور اسکے آئیڈیلز کی تاریخ ھے۔ تمام مذاہب، عقائد، رسومات و نظریات انسانی ذات کے تصوراتی پیکروں میں منضبط ھیں جن کے ذریعے انسان خود کو شناخت کرتا اور طاقت حاصل کرتا ھے۔ انسان اپنے تصوراتی پیکروں [آئیڈیلز] سے محبت اور ان کی پوجا کرتا ھے جیسے کہ وہ اس کے وجود کا دوسرا نصف ہوں۔ اس کے نزدیک اس کا آئیڈیل زندہ ھے، علیم و خبیر ھے، ابدی ھے اور انتہائی طاقتور ھے۔ در حقیقت انسان خود بھی وہی کچھ ہوتا ھے یا ہونے کی کوشش کرتا ھے جو اس کا آئیڈیل ہوتا ھے۔

اگر کوئی انسان کسی کمتر آئیڈیل سے محبت کرتا ھے تو صرف اس لئے کہ وہ ابھی اپنی خودی [ذات]، اپنی صفات اور اپنے امکانات سے مکمل آگاہ نہیں ھے۔ ایسے لوگوں کا آئیڈیل اتنا کمتر بھی ہو سکتا ھے جیسے طبعی جبلتوں کی تسکین، اور اسی طرح، اتنا کمتر بھی جیسے کہ اپنا ملک، دولت یا طاقت، یا معاشرے میں مقام وغیرہ۔ اور اس قدر کمترین بھی کہ انسان کو انسان کی غلامی اور اسی کے ایجنڈے کی تعمیل میں تمام تر صلاحیتیں صرف کرنے پر لگا دے۔

یہ تو کمیونسٹ ھیں جن کے مطابق انسانی خواہش صرف یہ ھے کہ اپنی بنیادی ضروریات کی تسکین حاصل کی جائے جو روٹی کپڑا اور مکان سے عبارت ھیں۔ ان کے نزدیک مثالی تصورات یا انسانی شعور و آگہی کو سماجی / معاشی حقیقتیں متعین کرتی ھیں۔ ایسے تین بڑے حقائق ھیں جو اس نظریہ کو شرفِ قبولیت بخشتے ھیں۔ پہلا یہ کہ بھوک کی تڑپ سب سے زیادہ مجبور کرنے والا عنصر ھے اور ہمارے ذہن کے ارتقائی عمل کے مکمل ہونے سے قبل سے موجود ھے جسے ہم، کم از کم اس کی بہتر تعبیر شدہ شکل میں، اپنا مقصود سمجھتے ھیں۔ دوسرے، عموماً لوگ اپنی بھوک اور دوسری جبلی ضروریات کی تسکین کرتے ھیں قبل اس کے کہ وہ اپنی بلند تر تصورات یا آئیڈیلز کی تسکین کا سامان کریں۔ تیسرے اگر ایک شخص کا انفرادی نظریہ حیات یا تخیل بلند نوعیت کا نہیں ھے، جیسا کہ ہماری خود آگہی یا شعوری ارتقاء کے ابتدائی مرحلے میں عموماً ہوتا ھے، تو بنیادی معاشی ضروریات ہی کی تسکین، یا حد سے زیادہ تسکین، انسان کے آئیڈیل کا ایک ناگزیر حصہ بن جاتی ھے۔ حتیٰ کہ جب ایک شخص کا ذاتی آئیڈیل، خوبصورتی کے پیمانے میں، بہت بلند ہو تو بھی اسے عموماً اپنے اس مقصود کے حصول کی کوشش کے ذیل میں اپنی معاشی بنیادی ضروریات کی تسکین کرنی ہوتی ھے۔یعنی ان ضروریات کی تسکین ہمیشہ انسان کے بلند تر تخیل کے ایک حصے کی شکل اختیار کر لیتی ھے اور ہمیشہ اس طریقِ کار پر اثر انداز ہوتی ھے جس کے ذریعے وہ اپنے تخیلی پیکر کو، اس کے تمام پہلوؤں اور تقاضوں کے ساتھ، حقیقت کا رنگ دینے کی کوشش کرتا ھے۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ھے کہ یہ دراصل ہماری بنیادی معاشی ضروریات ھیں جو ہمارے آئیڈیلز کی شکل میں پرورش پاتی ھیں۔ جب دو نوعیت کی خواہشات، جن میں سے ایک دوسری کی ذیلی ہو، کسی بھی کارروائی کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں تو بآسانی یہ مغالطہ ہو سکتا ھے کہ ایک کم تر خواہش کو اس عمل کا بنیادی سبب سمجھ لیا جائے، جبکہ وہ کم تر خواہش ایک فطری اندرونی ناگزیر حیثیت رکھتی ہو اور اپنا وجود بھی بلند تر خواہش کے پیدا ہونے سے قبل ہی رکھتی ہو، یا کم از کم اپنی ایک طاقتور پہچان رکھتی ہو۔

درحقیقت مارکسزم، فرائڈ کے نفسیاتی تجزیہ کی مانند، انسانی فطرت کے صرف جزوی تجزیے کا نتیجہ ھے۔ اس کی اساس ایک کمتر قدر یعنی روٹی، کپڑا اور مکان پر مشتمل ھے جو انسانی زندگی کے کم تر حیوانی وجود سے متعلق ھے۔ اور یہ ایک خالص مادی قدر ھے۔

عقیدہ نمبر ۲

- قرآن دراصل فطرت (nature) کے اسرار ھیں۔ جو فطرت کسی نابغہِ روزگار (genius) یعنی عالم اور ذہین و فطین شخص پر آشکار کر دیتی ھے۔ یہ " وحی " کی حقیقت ھے ؟؟؟؟؟؟؟

اس موضوع پر بحث سے قبل یہ نوٹ فرمالیا جائے کہ یہ عقیدہ موصوف کے عقیدہ نمبر ا سے بالکل متضاد و متخالف سمت رکھتا ھے۔ ایک طرف تو قرآن "انسانی حقوق کی کتاب" ھے۔ دوسری ہی کروٹ میں " قرآن فطرت کے اسرار" ہو جاتے ھیں۔ گویا ماحصل یا نتیجہ یہ نکلا کہ "انسانی حقوق دراصل فطرت کے اسرار" ہوتے ھیں؟ یہ راست ریاضی کلیہ استعمال کرنے پر قارئین سے معذرت خواہ ہوں، مگر کیا کیجیئے کہ دونوں عقائد ملا کر دیکھے جائیں تو یہی ناگزیر نتیجہ سامنے آ جاتا ھے۔ قصور تو صرف سوچ میں قطعی غیر مطابقت اور فلسفے میں ربط کے فقدان اور عدم تسلسل کا ھے جو موصوف کی تحریروں کی ایک نادر خصوصیت کے طور پر سامنے آتی ھے۔ آیئے آگے بڑھتے ھیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تحریر میں وحی کی کنہ و حقیقت :-

"3. You are neither sleeping nor doing things reflexly but you are interpreting your experiences, knowledge, observations and actions of your past and of others and you are senceing the laws of nature then you are a genius and you can predict the fate of a nation. You can warn a nation against the disaster they are heading to or you can predict their bright and prosperous future.
This faculty to learn from the nature is, when nature comes so close to a human being that all hidden secrets start opening up. The person and nature becomes like two bows together (Sura 53 Verse 9).
At this stage Nature starts revealing himself and THIS IS WAHI.
6.2.2010 "

ترجمہ: " نکتہ نمبر ۳: آپ نہ تو سو رہے ھیں اور نہ ہی خود ارادی طور پر کام کر رہے ھیں، لیکن آپ اپنے اور دوسروں کے تجربات، علم، مشاہدے اور ماضی کی کارکردگی سے نتیجہ اخذ کر رہے ہیں۔ اور آپ فطرت کے قوانین کو نظروں کے سامنے لا رہے ہیں، تو

تب آپ ایک نابغہ ہیں اور آپ ایک قوم کی تقدیر کی پیشن گوئی کر سکتے ہیں۔ آپ ایک قوم کو آنے والی تباہی سے پیش آگاہ کر سکتے ہیں، یا آپ ان کے روشن اور خوشحال مستقبل کی پیشن گوئی کر سکتے ہیں۔ فطرت سے سیکھنے کی یہ صلاحیت ہے، جس کی رو سے فطرت ایک انسان کے اتنے قریب آجاتی ہے، کہ تمام چھپے راز آشکار ہونے لگتے ہیں۔ وہ انسان اور فطرت اس طرح ہوجاتے ہیں جیسے دو کمانیں اکٹھی { آیت: ۹/۵۳ } ۔ اس مرحلہ پر فطرت اپنے آپ کو ظاہر کرنا شروع کر دیتی ہے، اور۔۔۔۔۔۔۔ یہ وحی ہوتی ہے۔٦ فروری ٢٠١٠۔ "ترجمہ ختم

یعنی: وحی یا قرآن دراصل فطرت کے راز ھیں جو وہ کسی انسان پر ظاہر کر دیتی ھے۔ اسلام یا قرآن کسی الہامی اور ربانی القاء کا نتیجہ نہیں ھے۔ یہ کوئی الہامی دین نہیں ھے بلکہ ایک ذہین و فطین انسان کے غور و خوض کے نتیجہ میں وضع کردہ ڈسپلن ھے۔ ظاہر ھے کہ یہ افکار " وحی " کے مابعد الطبیعاتی وقوع سے صاف انکار کے مترادف ھے۔ اور یہ کہ، یہ بھی دراصل بالواسطہ اسلوب میں اللہ کے وجود سے انکار کی تمہید ھے۔

دراصل وحی کا انکار مغربی تہذیب کے فلسفہِ مادیت پر مبنی ہوتا ھے، اور مادیت کسی مافوق الفطرت قوت کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس کے مطابق دنیا میں جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے، وہ قوائے فطرت کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔ اس مغربی نقالی پر اقبال نے یوں تبصرہ فرمایا تھا:-

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب　　کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید　　ضمیرِ پاک وخیالِ بلند و ذوقِ لطیف

حسبِ سابقہ، کسی قرآنی استدلال یا نصِ صریح کی غیر موجودگی میں یہ نظریہ بھی ایک اختراع، واہمہ، من گھڑت خیال، ذاتی عقیدہ یا ایجنڈا ھے۔ اوپر موصوف نے آیت ۹/۵۳ کا حوالہ "انسان اور فطرت کے دو کمانوں کی طرح اکٹھا ہونے" کے معنی میں دیا ھے۔ جبکہ اگلی ہی آیت ۱۰/۵۳ کہتی ھے: { فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ } کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ " اللہ تعالیٰ

نے اپنے بندے کو جو وحی کرنا تھا وہ وحی کر دیا"۔ ظاہر ہے کہ موصوف کہ طرف سے "فطرت" کا ذکر یہاں صرف اختراع ھے۔ قرآنی متن میں خواہش پرستانہ اضافہ ھے۔ عاجز اس نظریہ کے لیے "ایجنڈا" کا خصوصی لفظ استعمال کرنے پر خود کو اس وجہ سے مجبور پاتا ھے کہ یہاں بھی اللہ کی ذات کی سوچی سمجھی نفی، انسانی معاملات میں اللہ کے بالواسطہ تعلق اور راہنمائی کے عمل سے واضح انکار کی پالیسی عیاں ھے۔ حالانکہ اس کے بالکل برعکس، آیت نمبر ۵۱/ ۴۲ میں اس تعلق کا کھلا اقرار، اور اس کا متعین و مقرر شدہ لائحہ عمل، تین مختلف انداز میں بیان کر دیا گیا ھے، ملاحظہ فرمائیں:-

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّـهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ

اور حیرانی کا شکار نہ ہوتے ہوئے، خود موصوف کے قلم سے، اس آیت کا آستانہ بلاگ پر انگلش میں ترجمہ و تشریح بھی ملاحظہ فرمائیں:-

"In this verse you can see that :
No human being can talk to the creator on his own . So all those who claim that they can talk to Allah either in dreams during sleep or while awake is totally wrong .Categorically no human being can dare to talk to Allah.
But Allah talks to human beings by three ways:
1..Revelation
2..behind a veil . Now what behind the veil means .To understand this you have to consider yourself to be behind a veil and trying to look through that veil .The objects I other sides are not clear ,so you make efforts to have a clear vision .

So behind the veil means you have to put effort to understand the meanings of Wahi .These efforts include learning the languge and the basics of Wahi (43ssence and the purpose)
3..,Someone delivers the message of Wahi ,as most of our learned scholars are doing and they are all messengers .. "

قارئین کی سہولت کے لیے موصوف کی تحریر کا اردو ترجمہ پیش خدمت ھے:-

ترجمہ: " اس آیت میں آپ دیکھ سکتے ھیں کہ: کوئی انسان خالق سے خود سے بات نہیں کر سکتا۔ پس وہ سب جو دعوٰی کرتے ھیں کہ وہ اللہ تعالٰی سے سوتے ہوئے خواب میں یا بیداری کی حالت میں بات کر سکتے ھیں، سراسر غلط ھیں۔

یہ حتمی امر ھے کہ کوئی انسان اللہ سے بات کرنے کی جرآت نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ انسانوں سے تین طریقوں سے بات کرتا ھے:-

[۱] وحی کے ذریعے۔

[۲] پردے کے پیچھے سے۔ اب غور فرمایئے کہ پردے کے پیچھے سے کا کیا مطلب ھے۔ اس کو سمجھنے کے لیے آپ کو خود کو پردے کے پیچھے تصور کرنا پڑیگا اور پردے کے پار دیکھنے کو کوشش کرنی ہوگی۔ دوسری طرف کی اشیاء واضح نظر نہیں آئینگی لہذا آپ کو انھیں واضح دیکھنے کے لیے کوشش کرنی ہوگی۔ سو اس کا مطلب ھے کہ آپ کو وحی کو سمجھنے کے لیے کوششیں کرنی ہونگی۔ یہ کوششیں زبان اور وحی کی بنیاد سمجھنے پر مشتمل ھیں { یعنی نچوڑ اور مقصد } ۔

[۳] کوئی ایک انسان وحی کا پیغام پہنچاتا ھے۔ جیسا کہ زیادہ تر فاضل علماء کر رہے ھیں اور وہ سب رسول [یا پیغمبر] ھیں۔" [ترجمہ ختم شد]

قارئین توجہ فرمایئے، یہ سوچ و فکر کا کھلا تضاد یا ابہام ہی تو ھے کہ ایک طرف وحی کو خالص مغربی مادی نظریے کی رو سے " فطرت کے وہ اسرار کہا جائے جو انسان کسبی طور پر خود اخذ کر لیتا ھے"۔۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ دوسری طرف قرآن کی نصِ صریح کا سامنا ہو جائے تو اسی وحی کو اللہ کی طرف سے رابطے کے ذریعے، ' نزول ' (revelation) بھی کہ دیا جائے ؟؟؟ اور پھر اس رابطے کے تینوں طریقوں کی وضاحت بھی کی جائے۔۔۔؟ در حقیقت بات گھوم پھر کر عاجز کے اسی قیاس پر آجاتی ھے کہ موصوف یہاں اللہ کے کلام سے انکار بھی نہیں کر پا رہے، کیونکہ شاید یہاں معانی کی توڑ مروڑ ممکن نہ تھی،۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ ایجنڈے پر عمل کرنا بھی ایک مجبوری ھے، جس کی پشت پر کون جانے کتنی بڑی منفعت کے تحت ایک مخصوص معاہدے کی پابندی بھی لازم آتی ھے۔ پھر بے شک دو متضاد و متخالف کناروں کو باہم ملانے، یا دو کشتیوں میں بیک وقت پاءوں جمانے کی کوشش میں، انسان بے ربطی اور عدم توازن کا شکار ہو کر خود کو مذاق کا نشانہ بنانے کی حد تک زچ ہو جائے، کوئی پرواہ نہیں؟

اس کھلی دورخی پالیسی اور تضاد کا موصوف کی تحریر میں ایک اور ثبوت ملاحظہ فرمائیں:-

" How to know clearly what this way of conveying message is we have to put ourselves in a situation where God wants us to know his message . The only way to make us understand his message is only

through his Book .
So in my opinion the message of God conveyed to us behind the veil is through His Book. We cant see him for us He is behind a veil .

<u>So Prophets gets message directly through Wahee .</u>
People of his time got message through him i.e. through Messenger .
People of later era get message through His Book i.e. behind a veil .

I can’t imagine any other way of getting message from God. 10.7.10"

ترجمہ: " پیغام بھیجنے کے اس طریقے کے مکمل ادراک کے لیے ہمیں خود کو ایسی صورتِ حال میں دیکھنا ہوگا جہاں اللہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے پیغام کو جان لیں۔ واحد راستہ جس سے ہم اس کے پیغام کو جان سکتے ہیں وہ اس کی کتاب کے ذریعے ہے۔
پس میرے رائے میں پردے کے پیچھے سے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچنے کا مطلب ہے اس کی کتاب کے واسطے سے۔ ہم اس کو تو دیکھ نہیں سکتے کیونکہ وہ پردے کے پیچھے ہے۔ پس:
<u>نبی پیغام براہ راست وحی کے ذریعے وصول کرتے ہیں۔</u>
نبی کے دور کے لوگ پیغام نبی کے ذریعے وصول کرتے ہیں۔
بعد کے ادوار کے لوگ پیغام اس کی کتاب کے ذریعے وصول کرتے ہیں یعنی پردے کے پیچھے سے۔
میں خدا کے پیغام کو وصول کرنے کے کسی اور طریقے کا تصور نہیں کر سکتا۔"
[ترجمہ ختم]

آپ نوٹ کریں گے کہ یہاں ایک بار پھر سے وحی کو اللہ کا پیغام مان لیا گیا ہے۔ شاید مجبوری ہے۔ یا براہ راست منظر عام (public exposure) پر آ جانے کا خوف ہے۔ موصوف کی فکر کا انتشار و افتراق اور اپنی ہی تھیوری کے بارے میں تضاد بیانی تو واضح کر دی گئی ہے، اب ان کے اصل عقیدے یا ایجنڈے کے بارے میں کچھ علمی وضاحت کر دی جائے تو بر محل ہوگا اور امکان ہے کہ موصوف کی ایک بڑی کم فہمی کا ازالہ بھی ہو جائیگا۔

"فطرت کے اسرار کی حقیقت"

فطرت (nature) فقط طبعی مظاہر و قوانین سے عبارت ھے اور اللہ تبارک و تعالٰی کے مجموعی، ہمہ گیر تخلیقی پلان کے مراحلِ آغاز میں سے ایک مرحلہ ھے۔ فطرت کرہِ ارض کے تشکیلی اور ارتقائی عمل کا جزوِلا ینفک ھے اور اس کے تمام قوانین کرہِ ارض پر بتدریج متشکل کیے گئے ھیں۔ ان کا مقصد مابعد کے مراحلِ تخلیق سے وجود میں آنے والی انواع و اشکالِ حیات کو طبیعی زندگی کے لیے اسباب و ذرائع کی بے حساب فراہمی ھے۔ پس، فطرت دراصل کرہِ ارض پر پہاڑوں اور وادیوں، نہروں، دریاءوں اور سمندروں، میدانوں وصحراوں، بدلتے موسموں، متعدد حفاظتی ہوائی اور فضائی غلافوں، کشش ثقل، دورانِ آب اور دیگر طبیعی قوانین کا شاندار مظہر ھے۔ کرہِ زمین اور اس پر متشکل قوانینِ فطرت ایک کم ترین شعوری اقدار کی حامل زندگی رکھتے ھیں۔ اس نوعِ زندگی میں مادی عنصر (matter) غالب ھے۔ اس لیے فطرت کے توسط سے ایک انتہائی بلند تر شعوری / روحانی (conscious) سطحِ حیات کے لیے اخلاقی اقدار، صالح جذبات اور مثالی کردار سازی کے اصول اخذ کرنا ایک مبہم، لایعنی اور دور از کار واہمے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ یہ مذکورہ اشیاء خود سے کم تر سطح کی طبیعی اور حیوانی زندگی سے پیدا نہیں ہو سکتیں۔ یہ اقدار و اصول تو انسان کی برتر، خود آگاہ شخصیت، شعوری وجود یا خودی سے متعلق ھیں۔ یہ تمام بلند راہنما اقدار خالق خود اپنے آئیڈیل، یعنی انسان کے لیے، جو ابھی ارتقاء و تکمیل کے مراحل میں ھے، اپنے منتخب بندوں کے ذریعے وحی کے میڈیم سے ارسال فرماتا ھے۔ " وحی " اور "فطرت کے اسرار" اپنی نوعیت میں دو بالکل علیحدہ سطحیں اور اقدار رکھنے والے عناصر ھیں۔ قوانینِ فطرت ایک نچلے درجے کی سطحِ حیات سے تعلق رکھتے ھیں اور زندگی کے جسمانی اور طبعی پہلو کی ضروریات و اسباب سے متعلق ھیں۔ جبکہ وحیِ الٰہی ایک نہایت بلند تر درجے کی روحانی سطحِ حیات کے لیے ارتقاء و نشوونما کے اسباب و راہنمائی پر مبنی ایک جامع منشور کا نام ھے۔

تحریروں سے یہ بھی نوٹ کیا گیا کہ موصوف کے تصور کے مطابق "فطرت کے اسرار" صرف مخصوص (genius) لوگوں[یعنی نبیوں] پر ہی عیاں و آشکار ہوتے ھیں۔ جبکہ حقیقی صورت حال اس کے بالکل برعکس ھے۔ ہم دیکھتے ھیں کہ طبیعیات و سائنس کے میدانوں میں دورِ حاضر میں لاکھوں انسان روز و شب فطرت کے اسرار یعنی مظاہر و قوانین کے مطالعے اور اکتشافات میں مصروف ھیں اور ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کر کے انسان کی طبیعی

زندگی کو بہتر اور آسان تر بنایا جارہا ھے۔ وسائل کی افزائیش اور کائنات کی تسخیر کے مقاصد کی طرف پیہم پیش قدمی کی جا رہی ھے۔

اس لیے قارئینِ کرام،،،، کہاں "فطرت کے اسرار"۔۔۔اور۔۔۔کہاں "وحیِ الٰہی"۔۔۔۔ایک عامیانہ ضرب المثل ھے- ادنٰی درجے کی ضرور ھے، معافی چاہوں گا- لیکن موصوفِ محترم کی ایجاد کردہ تھیوری [نظریے] کے حسب حال ضرور ھے:-

" کہاں کی اینٹ، کہاں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا"۔

تُک بندی کی یہ انتہاء بالآخر ہمیں اس عاجز کی پیش کردہ محتاط روی کی اسی روش کی طرف لے جاتی ھے کہ قرآن میں دست اندازی کی اجازت ہر ہما شما کو حاصل ہو جانا شاید دُور اندیشی پر مبنی نہیں ھے، تا آں کہ امیدوار عصرِ حاضر کے بیشتر ترقی یافتہ علوم کے مطالعے کے ذریعے وسیع ذہنی افق اور تدبر و تعقل کے ایک خاص متعین کردہ درجے اور سطح تک نہ پہنچ جائے۔ اور اس کی تحریروں میں یک گونہ گہرائی (depth) اور درجہِ کمال کا ربط (consistency or coherence) نہ پیدا ہو جائے۔

اب موجودہ عنوان کو تکمیل کے مرحلے تک لے جانے کے لیے یہ بھی دیکھ لیتے ھیں کہ وحی کے بارے میں فرمان الٰہی کیا فیصلہ دیتا ھے، کیونکہ الہامی سند کے بغیر ہمارا تمام تر اظہار بے معنی ھے۔ ملاحظہ فرمایئے:

آیت ۴-۳/۵۳ : وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿٥﴾
یہ رسول اپنی فکر سے کلام نہیں کرتا۔ وہ [قرآن] اس پر وحی کیا گیا ھے۔ یہ علم اسے شدید قوت والے نے دیا ھے۔

آیت ۳۹/۱۷: ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ
یہ امر بھی اس ہی سے متعلق ھے جو تیرے پروردگار نے تیری طرف اپنے خاص تدبر / دانائی میں سے وحی کیا ھے۔

آیت۲۷/۱۸: وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ
اور پیروی کر اس کی جو تیرے رب کی کتاب سے { کے قانون سے تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔

آیت۴۵/۲۹: اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ
اللہ کی کتاب میں سے جو کچھ تیرے طرف وحی کیا گیا ہے اس کی پیروی کر اور اس کے اتباع کا نظام قائم کر۔

آیت۳۱/۳۵: وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ
اور جو کچھ ہم نے تیری طرف اپنی کتاب سے وحی کیا ہے وہ سچ ہے۔

آیت۴۲/۳: كَذَلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
اس طرح سے وہ تیری طرف وحی کرتا ہے اور ان کی طرف جو تجھ سے قبل تھے، اللہ اقتدار و حکمت والا۔

قارئین ایسی درجنوں اور بھی آیات حوالہ زد کی جاسکتی ھیں جو وحی کے اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل ہونے کی سند فراہم کرتی ھیں۔ لیکن طوالت کا خیال رکھتے ہوئے چند راست حوالے دے دیے گئے ھیں۔ یہی مواد آستانہ یا سلسلہِ دعوتِ قرآنی کے نظریہ کی موثر تردید اور ابطال کے لیے کافی معلوم ہوتا ھے۔ البتہ اگر موصوف اپنے نظریے کے حق میں ٹھوس قرآنی نصوص پیش کر سکیں، جہاں یہ واضح بیان ہو کہ وحی دراصل "فطرت کے اسرار" ھیں جو کوئی خاص انسان خود اخذ کرلیتا ھے، اور اس عاجز کی جانب سے حوالہ دی گئی درج بالا نصوص کو کسی بااختیار سند سے منسوخ کر سکیں، تو راقم رجوع کرنے میں پس و پیش نہیں کرے گا۔ لیکن موصوف کیونکہ قبل ازیں ہی دو رخی پالیسی اور تحریروں مین عدم مطابقت کا شکار ھیں، اس لیے ان کی جانب سے ایسے کسی ثبوت کی پیشکش کی توقع رکھنا ایک وہم و گمان ہی باور کیا جائیگا۔

آخر میں علامہ پرویز کی فکرِ قرآنی کے حوالے سے: " وحی کا علم نہ انسانی حواس کی رو سے حاصل کردہ ہوتا تھا نہ انسانی فکر کی تخلیق، حتیٰ کہ اس میں انسانی جذبات تک کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے اسے مُنزّل من اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ علم جو خالصتاً خارج سے (objectively) ملے۔ چونکہ اس میں انسان کے کسب وہنر اور محنت وکاوش کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا اس لئے اسے اکتسابی علم کی بجائے وہبی علم کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ آیت ۱۹۵/۲۶ کے مطابق اللہ نے اس کتاب کو عربی مبین کی زبان میں نازل فرمایا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وحی کی رو سے صرف خیالات ہی قلبِ نبوی پر القاء نہیں کئے جاتے تھے۔ اللہ کی طرف سے قرآن کے الفاظ کی بھی وحی ہوتی تھی۔"

عقیدہ نمبر ۳

- قرآن کسی حیات بعد الموت (hereafter) یا آخرت کی زندگی کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ صرف اِسی زندگی کی بات کرتا ھے ؟؟؟؟؟؟؟

اسی بات کی مزید وضاحت یوں فرماتے ھیں کہ اسی دنیا میں مستبد قوتوں کو شکست دے کر قرآنی معاشرے کا قیام عمل میں لایا جاتا ھے۔ یہی مرحلہ الساعۃ، آخرت، قیامت وغیرہ ھے۔ موت اسی دنیا میں قوموں کے زوال کو، اور "حیات الآخرت" یا "بعثت" قوموں کے از سرِ نو بیدار ہو کر ترقی حاصل کر لینے کو کہا گیا ھے۔ جسمانی موت کا قرآن میں ذکر نہیں ھے لہذا اسی دنیا میں سزا و جزا، مکافات عمل، جنت و جہنم کی تعبیر سامنے آتی ھے ؟؟؟؟؟؟؟؟

- - - - - - -

اوپر مذکورہ عقیدہ بھی موصوف کا ذاتی استنباط ھے۔ ہمیں قرآن کریم سے یہ علم ہوتا ھے کہ قرآن :-

۱۔ ان لوگوں کو بھی مردہ کہتا ہے جو طبیعی طور پر زندہ ہوتے ہیں اور دوسرے انسانوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن ان کی انسانی صلاحیتیں مردہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ انہیں حیاتِ نو، قرآنِ کریم میں غور و فکر سے مل سکتی ہے۔

۲۔ وہ ان قوموں کو بھی مردہ کہتا ہے جو زوال پزیر ہو چکی ہوں۔ ان میں اگر دوبارہ عروج حاصل کرنے کی استعداد و صلاحیت باقی ہوتی ہے تو وہ قوانین خداوندی پر عمل کرنے سے نئی زندگی حاصل کر سکتی ہیں۔ یہ بھی حیات بعد الممات کہلاتی ہے۔ اور

۳۔ افراد کی طبیعی موت کے بعد، دوسری زندگی کو بھیء "موت کے بعد کی زندگی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

موصوف نکتہ نمبر ۳ سے انکار کی پالیسی کے حامی ھیں۔

موصوف کے استدلال کی نقل پیشِ خدمت ھے جس سے آپ کا مادی تصور واضح ہو جاتا ھے:-

Now coming to verse 28 of sura Al-baqra

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

28. How can You disbelieve In Allâh? Seeing that You were dead and He gave You life. Then He will give You death, Then again will bring You to life (on the Day of Resurrection) and Then unto Him You will return. (usual translation)

This verse clearly says

!.., We were dead 2.., He gave us life

3.., He will make us dead again 4.., then again he will make us alive
5.., Then unto him we will return .

Except for the second and third stage all other stages can neither be confirmed by any observation supported by statistical evidences or by knowledge from the past .
Even second and third stage is controversial for some . If we are supposed to believe blindly then there is no point in going into all this cumbersome exercise. If we have to accept some faiths blindly then why not all of it .
I agree with Adnan M Khan that : "There is no one we know of who has returned to us and told us about life after death ".
I am sure more than anything that , QURAN DOES'NT TALK OF THOSE THINGS WHICH CANT BE PROVED OR ARE BEYOND OUR COPREHENSION OR UNDERSTANDING. 26.11.2010

ترجمہ: " اب سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸ کی طرف آتے ھیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ : تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو، یہ دیکھتے ہوئے کہ تم مردہ تھے، اس نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا اور پھر دوبارہ زندگی کی طرف لائے گا{ بعثت کے دن} پھر تم اسی کی طرف لوٹو گے۔ {عمومی ترجمہ} ۔ یہ آیت واضح طور پر کہتی ھے :- ۱} ہم مردہ تھے ۲} اس نے ہمیں زندگی دی ۳} وہ ہمیں دوبارہ مار دے گا ۴} پھر وہ ہمیں دوبارہ زندہ کر دے گا ۵} پھر ہم اس کی طرف لوٹ جائیں گے۔۔۔۔۔۔ دوسرے اور تیسرے مرحلے کے علاوہ باقی نہ تو کسی شماریاتی گواہی اور نہ ہی مشاہدے سے ثابت کیے جا سکتے ھیں اور نہ ہی ماضی کے علم سے۔ کچھ لوگوں کے لیے تو دوسرے اور تیسرے مرحلہ بھی متنازعہ ھے۔ اگر ہم نے اندھا ایمان رکھنا ھے تو اس تمام مشکل بحث کا کوئی فائدہ نہیں ھے۔ اگر ہمیں جزوی طور پر کوئی اندھا عقیدہ رکھنا ھے تو پھر کلی طور پر کیوں نہ رکھیں۔ میں عدنان م۔ خان سے متفق ہوں کہ " ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے جو مرنے کے بعد واپس آ گیا ہو اور ہمیں حیات بعد الممات کے متعلق بتا دے"۔ میں ہر چیز سے زیادہ اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ " قرآن ایسی چیزوں کے متعلق نہیں بات کرتا جو ثابت نہ کی جا سکیں یا ہمارے شعور اور فہم سے بالا ہوں" ۔۲۶۔۱۱۔۲۰۱۰

یعنی اسی مادہ پرستانہ ایجنڈے کے تحت موصوف حیات آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ لطف کی بات یہ ھے کہ وہ اور ان کے چند ہم خیال زبان سے یہی فرماتے ھیں کہ وہ اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ھیں۔ لیکن کھلا اور واضح موقف، جو زبانی دعوے کی نفی کرتا ھے، اوپر سرخی میں مندرج ھے۔ یہی دراصل حقیقی موقف ھے کیونکہ محترم خود کو قرآنی مانتے ھیں، اس لیے ظاہر کہ کسی بھی ایسے نظریے پر کیوں یقین کریں گے جو ان کے نزدیک قرآن سے ثابت نہیں ھے۔ معاملہ "صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں" کے مصداق ھے۔ البتہ واضح ہو کہ اس دورخی پالیسی کے بارے میں بہت واضح ارشاد ربانی موجود ھے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

آیت مبارکہ ۲/۸ :

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّـهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ

{اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ھیں جو [زبان سے] کہتے تو ھیں کہ ہم اللہ اور دورِ آخرت پر ایمان لے آئے، جب کہ دراصل وہ لوگ اس بات پر ایمان رکھنے والوں میں سے نہیں ھیں۔

یہاں موصوفِ محترم اور ان کی جماعت کے دورخی موقف کی ایسی نادر اور ہو بہو عکاسی کی گئی ھے کہ انسان کی روح وجد میں آجاتی ھے۔ کیوں نہ ہو، خالق اپنی اِس آزاد تخلیق کی ذہنی کج روی کی وسیع حدود سے بخوبی آگاہ ھے۔ اگرچہ موصوف یہاں ایمان (strong belief, faith) کو "امن" سے مشتق قرار دے کر، اپنی پرانی روٹین کے مطابق، معنی کو مختلف شکل دینے کی کوشش کریں گے۔ دیکھیے موصوف کی تحریر:-

"جناب لکی صاحب

مذہب کی دنیا میں " آمنوا" کا ترجمہ " یقین" کے معنوں میں لیا جاتا ہے جب کہ " آمنوا" کا مادہ ام ن ہے جس کے معنی امن اور سکون کے ہوتے ہیں اس لئے ایمان کے معنی ہوئے "کیفیت امن" ---- کیفیت امن کے لئے کسی مذہب سے تعلق ضروری نہیں ہوتا۔ "

جیسے، " آمنًا" کا موصوف ترجمہ فرماتے ھیں کہ " ہم امن والے ہو گئے " ۔ تو عرض ھے کہ جب یہاں فعل " آمن " (aamana) اور فاعل کی ضمیر " نا " دونوں پائے جاتے ھیں اور فعل کا "ہونا" نہیں بلکہ " کرنا"، بذریعہ فاعل، پایا جاتا ھے، نیز سیاق و سباق بھی اللہ پر ایمان لانے کا فعل ظاہر کر رہا ھے، تو محترم ایک نہایت راست اور واضح بات کو کیوں الجھا کر مشکل بناتے ھیں؟ لہذا " اللہ کے ساتھ پر امن ہو جانا" "آمنا باللہ" کا ایک لایعنی اور مبہم ترجمہ ھے جو قصداً معنی بگاڑنے کے خصوصی مقصد کی سمت اشارہ کر رہا ھے ۔ " اللہ پر ایمان لے آنا" ہی زبان و بیان کے اصولوں پر پورا اترتا ھے۔

معذرت خواہ ہوں کہ اس انداز کا خواہش پرستانہ ترجمہ نہ صرت قرینِ عقل نہیں بلکہ جمہورِ مسلمین اور، ناچیز کی معلومات کے مطابق، قرآنی جماعتوں میں سے کسی کے لیے بھی قابلِ قبول نہ ہو گا۔ نہ ہی موصوفِ محترم کی کوششوں سے ایک ادبی لحاظ سے غیر موزوں اظہارِ خیال معقول میں تبدیل ہو سکے گا۔ عرض گزار ہوں کہ " ایمان " کا مادہ ا۔م۔ن یعنی امن ضرور ھے، لیکن اس سے مشتق " ایمان" صرف " کیفیتِ امن" ہی نہیں، بلکہ " کسی بات کی سچائی کو ذہن کے پورے اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنا، یقین کرنا، اعتماد اور بھروسہ کرنا" بھی ھے۔ اور " مومن" وہ ھے جو " امن کی ضمانت تو دے" لیکن اس سے قبل " خود سچائی کو اس طرح تسلیم کرے کہ اسے اطمینان اور امن نصیب ہو جائے، بھروسہ اور اعتماد اور یقین محکم ہو جائے" [علامہ پرویز} ۔ یہ مستند لغات سے لیا گیا ترجمہ و مفہوم ھے جس سے موصوف نے یکسر صرفِ نظر فرمایا ہوا ھے اور ان کے جاری قرآنی ترجمے سے یہ انحراف ثابت ھے۔ دیکھیں "lane's lexicon " کی Root List جہاں aamanna کا معنی لکھا ھے: we believed یعنی ہم نے پورا بھروسہ / یقین کیا۔ نیز: Iimaan (n.): Faith; Belief.۔

درج بالا لغوی معانی کو موصوف اپنے منفرد تراجم سے موازنہ فرما کر چیک کر لیں تو ان کے اپنے تراجم کا ابہام آسانی سے واضح ہو جائیگا۔ مثلاً: ایمان باللہ = "اللہ کے ساتھ پر امن ہو جانا" ۔ ایمان بالآخرۃ = " آخرت کے ساتھ پر امن ہو جانا" ۔ ایمان بالملائکہ = " ملائکہ کے ساتھ پر امن ہو جانا" ۔ ایمان بالغیب = " نامعلوم، غائب، چھپے ہوئے، غیر حاضر، دور افتادہ وغیرہ کے ساتھ پر امن ہو جانا"، وغیرہ، وغیرہ۔ کیا موصوف کو خود اپنے ایمان کے اس ترجمے میں خاصی غیر

معقولیت، ابہام یا ایک خاص قسم کا ہیر پھیر نظر نہیں آتے؟ کیا موصوف کے زیر بحث تراجم جس ترکیب سے ذاتی ٹکسال میں ڈھالے گئے ھیں، انسانی تفہیم کی صلاحیت پر گراں نہیں گزرتے؟ قارئین خود فیصلہ کرسکتے ھیں۔

اس عنوان کے تحت مزید بحث سے قبل ایک اور فرمانِ الٰہی بھی یہاں نقل کرنے کے اجازت چاہوں گا جو قطعی فیصلہ کن نوعیت کا حامل ھے:-

آیات: ۳۰-۲۷/۵۳ :

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَىٰ ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾ فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

ترجمہ: " وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ضرور ملائکہ کو کمزور صنف کے نام سے موسوم کرینگے۔ دراصل وہ بے علم ھیں۔ وہ صرف قیاس کی پیروی کرتے ھیں، جبکہ قیاس حقیقت کے تناظر میں بے سود ہوتا ھے۔ پس اعراض برتو ان سے جو ہماری نصیحتوں سے منہ موڑ لیتے ھیں اور صرف اسی دنیاوی زندگی کو مقصود سمجھتے ھیں۔ ان کا مبلغ علم بس اتنا سا ہی ھے-----" ۔

قارئین، یہ ھے ایک اور قطعی حسب حال اور خود مکتفی ارشادِ ربانی۔ واضح ہوا کہ:-

- آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے بے علم ھیں۔
- وہ قیاس پر چلتے ھیں۔
- وہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت / کلام سے منہ موڑتے ھیں۔
- اسی دنیاوی زندگی کو مقصود سمجھتے ھیں۔
- ان کا مبلغ علم کچھ بھی نہیں۔

کیا واقعی، بقول موصوف، یہ تمام حتمی الٰہی فیصلے صرف ان لوگوں کے خلاف ھیں جو مستقبل قریب میں، اسی دنیا اور اسی زندگی میں، وقوع پذیر ہونے والی کسی تبدیلی کے بارے میں پر یقین نہیں ھیں؟۔۔۔ صلائے عام ھے یارانِ نکتہ دان کے لیے"۔۔۔۔۔۔۔

کیونکہ موصوف کا مضبوط موقف یہ ھے کہ " قرآن" حیاتِ آخرت hereafter کا ذکر نہیں کرتا، اس لیے اس عاجز کا استدلال بھی صرف قرآن ہی میں حیاتِ آخرت کے ذکر کی متعدد بار اور لگاتار موجودگی ثابت کرنے کے لیے ہوگا۔ وگرنہ یہ حقیقت تو انسان کے شعوری ارتقاء کی ابتدائی سٹیج سے ہی انسانی اذہان میں نمایاں طور پر موجود چلی آ رہی ھے۔ انسانی ادراک اس دوسرے دورِ حیات کو روحانی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ثانوی جسمانی دور بھی باور کرتا آیا ھے۔ ہزاروں سال قبل مردہ جسموں کو ممیوں کی شکل میں محفوظ کرنا بھی اسی دور ثانوی کے حصول کی تیاریوں سے عبارت تھا۔ نیز آج کے جدید علوم کی روشنی میں بھی حیاتِ آخرت کا وجود ثابت کرنے کے لیے مستند حقائق کی کوئی کمی نہیں ھے۔ جب اس عاجز کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ سائنس کے ذریعے حیاتِ آخرت کی حقیقت ثابت کر دی جائے، تو موصوفِ محترم نے براہِ راست منع فرمادیا۔ دیکھیے بلاگ پر موصوف کی ہدایت:-

"میرے انتہائی محترم ممبران
میں نے ایک گزارش کی تھی کہ ہر شخص جو بعثت بعد الموت پر یقین رکھتا ہے یا نہیں رکھتا ہے وہ جو بھی آیت پیش کرے گا تو یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اس کا سادہ ترجمہ پیش کرون گا اور اس کے سیاق وسباق کو دیکھ کر ممبران سے گزارش ہو گی کہ اس کے بعد قرآن کی بنیاد پر فیصلہ کریں کہ حقیقت کیا ہے۔
لیکن بحث سائنس اور اس کے ذریعے بعث بعد الموت کو ثابت کرنے یا نہ کرنے اور سائنس کی اہمیت پر ہونے لگی۔
میری ایک مرتبہ پھر گزارش ہے کہ بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کے لئے صرف اور صرف قرآن تک محدود رہیں
تا کہ میں قرآن سے جواب دے سکوں۔ بہت بہت شکریہ
آپ کا مخلص۔۔۔۔ڈاکٹر قمر زمان ۳۰/۵/۲۰۱۱ "

یہ ھے موصوف کی حیاتِ آخرت کے ثبوت سے بیزاری کی کیفیت ۔ تو آیئے پہلے دیکھیں کہ موصوفِ محترم کس طرح حیاتِ آخرت کی حقیقت کو دنیاوی تناظر دینے کے لیے گرامر کی تراکیب سے من مانا نتیجہ اخذ کرتے ھیں۔ حیاتِ آخرت کے لیے حق تعالٰی نے جو اصطلاحات استعمال فرمائی ھیں، وہ قرآن کے طول و عرض میں بھری پڑی ھیں اور عموماّ ان الفاظ میں مندرج ھیں:-

"الحیات الآخرۃ–یوم الآخر–دار الآخرۃ– آخرۃ - اور تقابلِ ضدین کے لِے جو اصطلاح ان الفاظ کے ہمراہ اکثر استعمال کی گئے ھے وہ ھے "الحیاۃ الدنیا" ۔

موصوف حیاتِ آخرت کو ہمیشہ کی یا روحانی سطح کی زندگی ماننے سے انکار کرتے ھیں اور گرائمر کی روسے دلیل پیش کرتے ھیں کہ یہ مرکبِ توصیفی ھے، جس میں حیات موصوف ھے اور آخرت اس کی صفت ۔ اس لیے اس کا معنی ہو گا، "عنقریب آنے والا دور یا بہتر سطح کی زندگی" – لیکن اسی دنیا میں۔ اس کے تقابل کی لیے موصوف اصطلاح "الحیاۃ الدنیا" کو مرکب توصیفی ہونے کی بنا پر " کم تر یا پست سطح کی زندگی" قرار دیتے ھیں / یعنی " دنیا" کا معانی یکسر تبدیل کر دیتے ھیں۔ موقف یہ ھے کہ " الدنیا" صفت ہونے کہ وجہ سے "ادنٰی" کے معنی دیگا۔ ظاہر ھے استدلال بودا ھے ۔ اور " دنیا" کا عمومی معنی منظر سے غائب کرنے کا پوشیدہ مقصد رکھتا ھے تاکہ تقابلِ ضدین کی صورتِ حال پیدا نہ ہونے پائے۔

لیکن، اس عاجز کا موقف یہ ھے کہ مرکب توصیفی ہونے کے باوجود اس کا معنی " حیاتِ دنیاوی " ہی لیا جائیگا۔ کیونکہ " دنیا" کا معنی تبدیل کر کے "ادنٰی" کا ہم معنی کر دینا کون سا زبان و گرائمر کا اصول ھے؟ اور اگر معنی" کم تر سطحِ زندگی" ہی لینا ہوتا، تو پھر یہ مرکب توصیفی" الحیاۃ الادنٰی" کی شکل میں کیوں نہ دیا گیا؟ کیا لفظ "الادنٰی" قرآن میں کئی جگہ "کم تر" یا" قریب تر" کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا؟

وہ کون سا گرائمر کا اصول ھے جو آپ کے ہاں مرکبِ توصیفی میں الفاظ کے معنی تبدیل کر دیتا ھے ؟

مرکب توصیفی میں صفت اور موصوف دونوں الفاظ پر دو پیش لگتے ھیں۔ اور اگر پہلے لفظ پر " ال" آیا ہو تو دوسرے لفظ پر بھی آجائے گا اور دو پیش کی جگہ ایک پیش کا استعمال ہو گا۔ مرکب توصیفی کے لیے یہی سادہ سی خصوصیت ھے۔ معانی کی تبدیلی کا تو کہیں کوئی ذکر نہیں ھے۔ مثال کے لیے دیکھیے:-

المسلم الصادق = سچا مسلمان - الرجل الصالح = نیک شخص - المسجد الکبیر = بڑی مسجد - الکتاب الصغیر = چھوٹی کتاب - العم الامین = امانت دار چچا

پس اسی طرز پر۔۔۔ الحیاۃ الدنیا دراصل دنیاوی زندگی ھے۔ لہٰذا موصوف کا ذاتی ترجمہ "پست/کمتر سطح زندگی" یکسر غلط ثابت ہوتا ھے۔ اسی دنیاوی زندگی کے تقابل میں مولائے کریم نے حیاتِ آخرت کا ذکر کیا ھے، جو ظاہر ھے کہ دنیاوی زندگی سے یکسر متضاد، غیر دنیاوی، اعلیٰ اور لطیف سطح کی حامل، جسمانی آلائشوں سے پاک، روحانی سطحِ زندگی ہی ہو سکتی ھے۔

قارئین آخرت کے لفظ سے متعلق اتنی زیادہ تعداد میں آیات موجود ھیں کہ مقالہ نہایت طویل ہو جانے کا خوف ھے۔ اس لیے اب آیئے صرف وہ مقامات دیکھ لیتے ھیں جہاں آخرت بمقابلہ حیاۃ الدنیا لائی گئی ھے -اور مندرجہ بالا نتائج اخذ کرنے کے بعد یہ تقابلِ ضدین کسی قسم کی معانی کی توڑ مروڑ کی اجازت نہیں دے گا اور موصوفِ محترم کا ایجنڈا کھول کر سامنے لے آئے گا۔

آیت: ۲/۸۶ :- أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ

ترجمہ:" یہ وہ لوگ ھیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیاوی زندگی خریدلی ھے۔ پس ان پر آنے والا عذاب کم نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائیگی۔"

اگر ہم یہاں موصوف کے مطابق یہ کہیں کہ "جنہوں نے بعد میں آنے والی اسی دنیا کی زندگی [آخرت] کے بدلے میں کمتر زندگی خریدلی ھے" ۔۔۔ تو کیا یہ معقول ہو گا؟ ہر گز نہیں۔

آیت: ۲/۲۰۰ :- فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

ترجمہ: "پس لوگوں میں سے وہ بھی ھیں جو کہتے ھیں ہمارے رب ہمیں اسی دنیا ہی میں نواز دے، لیکن ایسے شخص کے لیے آخرت میں حصہ نہیں ہوتا"۔

کیا موصوف اس ترجمے کو اپنے موقف کے مطابق تبدیل کر پائیں گے؟ غالباً نہیں۔

آیت: ۱۱/۱۵-۱۶ :- مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۔۔ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

ترجمہ: "جو دنیاوی زندگی اور اس کی زینتیں ہی چاہتے ھیں، ہم اس ضمن میں ان کی کاوشوں کی پوری ادائیگی کر دیتے ھیں اور انہیں محروم نہیں رکھا جاتا۔۔ یہ وہ لوگ ھیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں۔ جو کچھ اِس میں انہوں نے بنایا تھا، ضائع ہو گیا اور جو کچھ عمل کیے وہ بے کار رہے۔"

کیا یہ اسی دنیا کی کسی بعد کے دور کی زندگی کا ذکر ہو سکتا ھے؟ کیا جن لوگوں کو یہ کہا جا رہا ھے، ان کی طویل زندگیوں کی کوئی ضمانت ھے؟ کیا وہ سب لا محالہ اس وقت تک جسمانی زندگی بر قرار رکھیں گے جب تک آگ وغیرہ کی سزا ان پر نہیں آ جاتی؟

آیت: ۳/۱۴۵ :- وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ

ترجمہ: "جو اس دنیا کے ثواب کی خواہش کرتا ھے، ہم اسے اس میں سے دے دیتے ھیں، اور جو آخرت کے ثواب کی خواہش کرتا ھے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ھیں۔"

آیت ۴/۷۷ :- قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا

ترجمہ": کہ دے کہ اس دنیا کا مال و اسباب قلیل ھے جبکہ آخرت ان کے لیے جو پرہیزگاری کرتے ھیں بہتر ھے، اور ان کے ساتھ کھجور کی گٹھلی کے دھاگے جتنا بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔"

یہاں کیا خیال ھے موصوف کا "ثواب الدنیا" اور "متاع الدنیا" کے بارے میں؟ کیا یہ مرکبِ اضافی نہیں اور یہاں دنیا کے معنی یہی دنیا نہیں؟ اور تقابلِ ضدین کے مطابق "الآخرۃ" دوسری یا فائنل زندگی نہیں؟

آیت ۲/۶۷ :- تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ترجمہ:" تم دنیا کے فراوانی چاہتے ہو جبکہ اللہ آخرت کو پسند فرماتا ھے۔ اور اللہ غالب اور دانا ھے۔"

یہاں "دنیا کی پیشکشیں" بمقابلہ "آخرت کی چاہتیں" ، کیا اسی دنیا کے دو دور ہو سکتے ھیں؟ کیا یہاں موصوف کے ذاتی معانی چسپاں کیے جاسکتے ھیں؟

آیت ۹/۳۸ :- أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ

ترجمہ:" تم راضی ہو دنیاوی زندگی کے ساتھ، آخرت کے مقابلے میں۔ تاہم دنیاوی زندگی کا مال و متاع آخرت کے موازنے میں قلیل ھے۔"

آیت۱۶/۸۷ :- بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ

ترجمہ: " بلکہ تم تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دے رہے ہو، جبکہ آخرت بہتر اور [اس کے مقابلے میں] زیادہ بقا رکھنے والی ھے۔"

اگر آخرت بھی اسی دنیا کی زندگی ھے تو کیسے اس میں زیادہ بقا ہو سکتی ھے؟ زیادہ بقا تو جسمانی زندگی میں نہیں ہوتی بلکہ حیات بعد الممات ہی میں ہو سکتی ھے جہاں پہنچ کر انسان ایک شعوری توانائی (conscious energy) کی لطیف اور جاودانی شکل اختیار کر لیتا ھے کیونکہ وہ خود دراصل ایک خود آگاہ وجود ھے (self conscious) جس کی اصلِ حیات مادے سے ماوراء ھے۔ یہ بیان فزکس کی سائنس سے ثابت ھے۔

قارئینِ کرام، اس موضوع سے متعلق آیات اتنی زیادہ ھیں کہ اگلے دس صفحات بھی کم رہیں گے۔ لیکن یہ احقر امید کرتا ھے کہ درج بالا مواد سے قرآنی موقف، اسناد کے ساتھ، عین الیقین سے دیکھ لیا گیا ھے۔ ان تمام آیات میں آخرت سے مراد دنیا ہی کا کوئی دوسرا جسمانی زندگی کا دور لیے جانے کے امکانات ناپید ھیں۔ یہ تمام آیات دراصل حیات بعد الممات، یعنی جسمانی زندگی کے بعد حیاتِ جاودانی ہی کا ذکر کر رہی ھیں۔ ان کے مفاہیم کو ارادتاً مسخ کرنے کی کوشش ایک خاص ایجنڈے ہی کی مرہونِ منت ہو سکتی ھے۔

قارئینِ کرام، آخر میں حیاتِ آخرت کو موت کے بعد کی زندگی تسلیم نہ کرنے والوں پر اللہ تبارک و تعالٰی کا استہزا بھی نوٹ فرمالیں:-

آیت۲۹/۶اور۳۷/۲۳:- وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ

ترجمہ: "اور یہ کہتے ھیں کہ ہماری دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی اور زندگی نہیں ھے، اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائینگے۔۔۔۔۔۔"

آیت۴۵/۲۴:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ

ترجمہ: "اور وہ کہتے ھیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں ھے۔ ہم اسی روٹین میں مرتے ھیں اور زندگی پاتے ھیں، اور یہ وقت ھے جو پورا ہونے پر ہمیں مار دیتا ھے۔ دراصل اس معاملے کے بارے میں ان کے پاس علم نہیں ھے۔ یہ صرف قیاس ہی کرپاتے ھیں۔"

اور اسکے بعد تو قارئین، اس بارے میں کوئی شک وشبہ کا امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ:-

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں　　　ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائنات
موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ھے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ھے

عقیدہ نمبر ۴

- مسلمانوں کے نبی محمد اور دیگر انبیاء کرام کسی مخصوص حقیقت، شخصیت اور وجود کا نام نہیں ھے۔ ان کے نام دراصل (generic templates) کی حیثیت رکھتے ھیں۔{ لغوی معنی= "دھات، پلاسٹک یا کاغذ کے بنے مخصوص پیٹرن یا سانچے" } ۔ ہر نام ایک انسان کا نہیں، بلکہ ایک صفت کا نام ھے۔ مثلاً:

"محمد ہر وہ انسان ھے جس کی" تعریف کی گئی ہو" -

اس ضمن میں عربی لغات کے حوالوں سے انبیاء کے اسماء گرامی کے لفظی معنی پیش کیے گئے ھیں اور بلاگ کے صفحات پر زور شور سے طول طویل مباحث کیے گئے ھیں جن میں شخصیت پرستی کی نفی پر زور دیا گیا ھے اور موقف پیش کیا گیا ھے کہ جو بھی، کبھی بھی، ان صفات پر پورا اترے گا وہ اسی نام سے جانا جائیگا۔ ملاحظہ کیجئے آستانہ "بلاگ" کے صفحات، بتاریخ ۸ جون، ۲۰۱۱ :-

NOOH :- A man how calls in a repeated way with anxiety and whole heartedly.
IBRAHIM:- It is driven from “ABRAHA” means who talk with arguments and evidences.
ISMAIL:- It is derived from “ ASMAA” .A man with a good repute in a society(Ismail with the same weight of mekail)
ISHAQ:- Sahaq is the quality of a person who convince the opponent by repeatedly arguing (Ashaq al Qalb means a soft hearted man) SAHAQ to grinde.
YAAQOOB:- A good successor (jan nashin), Al aqoob means who follow the foot steps.
YOUSUF:- tawassaf al baerah(a camel with a new hair grown after dropping old ones) Or apparent a fine material after pealing it out.A MAN UP LFTED (DEVELOPED) FROM THE

DOWN TRODDEN TO THE ELIET STATUS.
MUSA:- A man who routs out the false hoods from the society (erazor is called musa because it remove the hairs out of skin).
MASIEH:- To know the sense of this attribute plz see the MASHA in the verse, where, "Wamsaho be ruoosikum wa Arjulokum" has been elaborated by Dr. Qamarzaman in Haqeeqat –e-salat.
MOHAMMAD:- Praise worthy (a man with the good qualities) WITH SIFAAT AL HAMIDAH
ZAKARIYA = A wide visionary man who always remember the Allah;s message intensively.
3) The characters, Noh,Ibraheem, Muses, Eisa, Mohammad are not the physical personalities, rather the attributes written in Alkitab, their stories (qases) are the generic templates, to seek the guidance from this eternal message in each era.
4) We condemn the orthodox translation based on myth and man written history. We relay on the translation purely based on lexicon, relevant context and tasreef al ayat. Date 8.6.2011

<u>ترجمہ:</u>

" نوح= یہ ابرہہ سے مشتق ھے، معنی ھے "وہ جو دلائل اور ثبوت کے ساتھ بات کرے۔

اسماعیل= یہ اسمع سے مشتق ھے، یعنی "وہ جو معاشرے میں شہرت رکھتا ہو [اسماعیل اسی وزن پر ھے جیسے میکائیل]۔

اسحاق= سحق آدمی کی وہ صفت ھے جو متواتر دلائل سے مخالف کو قائل کر لے [اسحق القلب کا مطلب نرم دل آدمی ھے] ۔ سحق کا مطلب ھے؛ پیسنا، تراشنا۔

یعقوب= ایک اچھا جانشین۔ العقوب یعنی وہ جو قدموں کے نشان پر چلے۔

یوسف= توسّف البائرح [ایک اونٹ جو پرانے بال گرا کر نئے بال اگا لے] یا عمدہ چیز نکل آئے چھلائی کے بعد۔ وہ جو بالکل پست سطح سے حکمران سطح پر ترقی کر جائے۔

موسیٰ= وہ جو معاشرے سے تمام فریب کاریوں کا خاتمہ کر دے۔[استرا موسیٰ کہلاتا ھے کیونکہ یہ کھال پر سے بال صاف کر دیتا ھے۔]

عیسیٰ= اس صفت کا معنی دیکھنے کے لیے "مسح" کا مطالعہ کریں اس آیت میں جہاں "وامسحوبروسکم وارجلکم" کو ڈاکٹر قمر زمان نے "حقیقتِ صلوۃ" میں بیان کیا ھے۔

محمد= ایک تعریف کے قابل آدمی [اچھی صفات کا مالک] یعنی صفات الحامدہ کے ساتھ۔

ذکریا= ایک وسیع بصیرت والا جو اللہ کا پیغام شدت سے اور ہمیشہ یاد رکھے۔

-------------{قارئین، خاص طور پر ذیل میں نکتہ نمبر ۳ کا ترجمہ نوٹ فرمایئے:}

۳} نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد حقیقی شخصیات نہیں ھیں، بلکہ الکتاب میں لکھی صفات ھیں۔ ان کی کہانیاں [قصص] " جینز کے ٹمپلیٹس " ھیں تاکہ اس ابدی پیغام سے ہر دور میں راہنمائی لی جائے۔

-----------{درج بالا بے مثال حماقت کے بعد فرماتے ھیں، ملاحظہ فرمائیں:-}

۴} ہم پرانے تراجم کی مذمت کرتے ھیں جو دیومالائی اور انسانی ساختہ تاریخ پر مبنی ھیں۔ ہم خالص لغت، متعلقہ سیاق وسباق اور تصریف الآیات کی بنیاد پر کیے گئے ترجمہ پر انحصار کرتے ھیں۔" [ترجمہ ختم شد]

قارئین، اولاً تو نبیوں کی شخصیت کا خاتمہ اسی سیکیولر اور دہریت پرست ایجنڈے کا ایک اور مرحلہ معلوم ہوتا ھے۔ دوئم یہ کہ پوری انسانی تاریخ میں الہامی کتب سے نبیوں کی شخصیات کو ختم کرنے اور ان کو صرف یک صفاتی علامت کے طور پر لینے کی احمقانہ جسارت کبھی نہیں کی گئی۔ کیونکہ

۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ھے کہ ہر نبی کی صرف ایک صفت ہوتی تھی جو اس کے نام کا لغوی ترجمے سے سامنے آتی ھے۔ کیا ایسا ممکن ھے؟

- اگر نبیوں کو صرف صفات کی علامت ہی کو طور پر لیا جائے، تو پھر بھی کیا ہر نبی صرف ایک صفت کی بجائے بلند انسانی صفات کا مجموعہ نہیں ہونا چاہیے؟
- کیا ہم نبی کو انسان کی بلند ترین اور ارتقاء یافتہ شعوری سطح کا ایک الہامی مندوب ماننا چھوڑ دیں؟ صرف ایک واحد صفت کی غیر حقیقی علامت یا سانچہ مان لیں؟
- کیا ابدی راہنمائی کے لیے حقیقی شخصیات ضروری نہیں ھیں؟ کیا ابدی راہنمائی میں حقیقی شخصیات کوئی رکاوٹ پیدا کرتی ھیں؟
- کیا ابدی راہنمائی صرف صفاتی علامتوں یا سانچوں سے ہی حاصل کی جاتی ھے؟
- کیا ان سانچوں یعنی ٹمپلیٹس پر کوئی اور بھی پورا اتر کر نبی بن پایا اور آفاقی طور پر نامور ہوا، یا نہیں؟
- اگر نہیں، کیونکہ یہ تاریخ سے ثابت نہیں ھے، تو پھر جناب کو یہ "سانچے" تشکیل" دینے کی لایعنی مہم کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟
- کیا اس سے ذہنی پراگندگی پیدا کرنا آپ کا اصل مقصد نہ تھا؟
- کیا در حقیقت یہ فائدہ جناب نے نبیوں کی شخصیات کو مسخ کر کے اپنے خاص ایجنڈے کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی صورت میں حاصل نہیں کیا؟ جس سے غالباً آپ کے خارجی آقا آپ کو مالی منفعت عطا کرتے ھیں؟
- اور کیا ہم سب اب یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ جو بھی دلائل سے بات کرنے کی صفت رکھے وہ" نوح" ھے؟
- جو بھی قدموں کی نشان پر خوبی سے چلے، وہ"یعقوب" ھے؟
- جو بھی چھِلائی کے بعد عمدہ سطح کی طرح نکل آئے وہ" یوسف" ھے؟
- جو بھی اُسترے کی طرح معاشرے سے فریب کو مونڈ کر ختم کر دے وہ خود بخود "موسیٰ" ھے؟
- جو بھی مسیحائی یا معائنہ (survey) کر سکے وہ" عیسیٰ" ھے؟
- جو بھی زیادہ تعریف کیا جائے وہ" محمد" ھے؟

"جینرک ٹمپلیٹ" کا افسوسناک مطلب تو قارئین، یہی ھے، اور اسکے علاوہ کچھ اور نہیں؟ عقل و شعور کی یہ بے مثال توھین تو ہے ہی، یہ انبیاء کی مشعلِ راہ ہستیوں کی بھی توھین ھے۔

پھر دیکھیے کہ اپنے رفیقِ خاص کے اس "چودہ طبق روشن" کر دینے والے فتویٰ کے لیے خود ڈاکٹر صاحب موصوف کی تائید و تحسین کا انداز:-

Dear........,assalam-o-alaik,
Let me accept this fact today that you are well ahead of me. you have answered the question so nicely and comprehencively that nothing is left to be added . Thanks .
Dr Qamar Zaman . 10.6.2011

ترجمہ:- "پیارے۔۔۔۔، سلام علیک
مجھے آج یہ حقیقت قبول کرنے کی اجازت دو کہ تم مجھ سے بہت آگے ہو۔ تم نے اس سوال کا جواب اتنی عمدگی اور تفصیل کے ساتھ دیا ھے کہ اس میں مزید اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ شکریہ۔ ڈاکٹر قمر زمان۔ ۱۰۔۶۔۲۰۱۱ "

الغرض مقصد اسی مذموم ایجنڈے کے تحت محمد رسول اللہ کی شخصیت کو غیر اہم قرار دے کر امتِ مسلمہ میں موجود ہر فرد کے دل سے ان کی بے پایاں محبت و عقیدت کو ختم کرنے کی کوشش ھے۔ اسی مذموم مقصد کے تحت آپ کو ایک تصوراتی کردار یا صفاتی علامت کا نام بلکہ لقب دیا جا رہا ھے، جسے کسی نابغۂ روزگار (genius) نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اختیار کر لیا ھے۔ یہ اچھا خاصہ توہینِ رسالت کا کیس ھے۔

درج بالا تبصرے سے واضح ہے کہ جن دو یا تین حضرات نے اس تھیوری کا ابلاغ کیا ھے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہ صرف ان حضرات کی مکمل تائید و توصیف فرمائی بلکہ ان ہی صفحات میں ان کو علم میں خود سے بھی افضل قرار دیا ھے۔ یہ تمام تحریریں آن ریکارڈ آستانہ بلاگ پر موجود ھیں۔ فیصلہ قارئین کو خود کرنا ھے کہ کیا کوئی صفت کسی زندہ اور حقیقی موصوف کے بغیر بھی کوئی معنی رکھتی ھے۔ اور کیا کسی حقیقی شخصیت کے بطور ہادی و راہنما موجود نہ ہونے کے باوجود، صرف صفات کو علامت بنا کر ان کی پیروی کی جا سکتی ھے۔ کیا کسی مجسم اور مخصوص لیڈر اور زندہ حاکم کے بغیر بھی حکومتِ الٰہیہ قائم کی جا سکتی ھے؟ کیا ایک لیڈر کی پیروی میں کسی منزل تک پہنچنا شخصیت پرستی کی علامت ہوتی ھے؟ یا کیا ایک مخصوص شخصیت کی، اطاعت کی علامت کے طور پر موجودگی، ایک لازمہ کی حیثیت نہیں رکھتی؟

شاید موصوف کی درج بالا ذہنی کیفیت میں ان کے لیے یہ حقیقت ایک " نئ اطلاع" ہو کہ اس دنیا میں انبیاء ہی نہیں بلکہ ہر انسان کا نام کسی نہ کسی صفت پر ہی رکھا جاتا ھے۔ لیکن کسی انسان کی شناخت کے لیے لغت لے کر اس کے نام کا لغوی معنی تلاش کرنا سوائے دماغی توازن بگڑ جانے کے کسی اور بیماری کا ثبوت نہیں ھے۔ نام ایک شخصیت کی پہچان کا ذریعہ ہوتے ھیں۔ ان کے معنی تلاش کرنے کی اختراع کسی خاص ایجنڈے کے تحت تو ایجاد کی جا سکتی ھے، صحیح الدماغی کی حالت میں ہر گز نہیں۔ " ایں دفتر بے معنی۔۔۔۔۔" ۔ موصوف خود اپنے نام ہی کی مثال لے لیں اور اپنا انوکھا فلسفہ اس پر لاگو کر دیکھیں۔ دماغی فرسودگی اور عقل کی شکست وریخت کے سوا کچھ نہ پائیں گے۔ معافی چاہتا ہوں۔

عقیدہ نمبر ۵

- غیب کا معنی "قدرت کے پیمانے" ھیں۔

غیب کا معانی موصوف نے اپنے رواں قرآنی ترجمے میں "قدرت کے پیمانے" کیا ھے۔ "یومنون بالغیب" کا معنی لکھتے ھیں: "وہ قدرت کے پیمانوں کے ذریعے امن قائم کرتے ھیں" ۔ دیکھیں آستانہ ویب سائٹ پر ترجمہ سورہ البقرۃ، آیت نمبر 3 ۔

یعنی: "ان دیکھی حقیقت" یا "مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے نتائج" غیب کا ایک غلط ترجمہ ھے۔ قرآن ایسی کوئی بات ہی نہیں کرتا جو ثابت نہ کی جاسکے۔

ہمارے سامنے اب سوال یہ درپیش ھے کہ کیا کسی لغت یا کسی بھی منطق سے "قدرت کے پیمانے" کے اس بے سرو پا استنباط کو " الغیب " کی اصطلاح کا درست ترجمہ قرار دیا جاسکتا ھے؟

اس سوال کے جواب کیلیے بحث سے قبل لین کی لغت سے "غیب" کا ترجمہ دیکھ لیتے ھیں:-

" غ ی ب: غیر موجود، دور فاصلہ پر، چھپا ہوا، چھپایا ہوا، کسی بھی حدود میں موجود نہ ہونا، یا تصور، حواس، یا ذہنی سوچ سے ماوراء، ان دیکھا / نظر نہ آنے والا، الزام، چغلی، چھپی ہوئی حقیقت، وہ جو غیر حاضر ہو۔ مشتقات:- غیب: غیوب، عیاب، غیوبہ، مغیب، غیبوبۃ، معناب، غاب بمقابلہ حضر، غیبت، اغتاب۔۔۔"

لین کی لغت کی جلد نمبر ٦ کے صفحات ٩٦، ٩٧، ٩٨ پر مندرج غیب کے تمام مشتقات کے معانی کی تفصیلی تشریح پڑھ جایئے تو بھی موصوف کا ترجمہ دور و نزدیک کہیں سے بھی لغوی ترجمے کے قریب نہیں پھٹکتا۔

یہ عاجز نہایت احترام کے ساتھ عرض کرتا ھے کہ یہاں عقل و شعور کی ایک بار پھر وہ توھین کی گئی ھے کہ جسے " اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی" کے مصداق کہنا بھی اس واردات کی پوری طرح مذمت کے لیے کافی نہیں ھے۔ انسان کے پوشیدہ مفادات اس کو بے علمی کے کن اندھیروں میں لے جاتے ھیں، قرآن کے معانی کو مسخ کرنے کی اس

دلیرانہ کوشش کو اس کا ایک آئینہ یا بیّن ثبوت قرار دیا جا سکتا ھے۔ قارئین، اصل بات کو سمجھنا، بہر حال، یہاں کچھ بھی مشکل نہ ہو گا - اگر موصوف کے اوپر بیان کردہ عقائد اور ایجنڈے کو سامنے رکھ لیا جائے تو موصوف کو درپیش اشکال کا بخوبی ادراک ہو جاتا ھے۔ غور فرمائیے:-

- "قرآن ایسی کوئی بات ہی نہیں کرتا جو ثابت نہ کی جا سکے۔" جب موصوف کا یہ بنیادی عقیدہ ہو تو بھلا اس عقیدے کی موجودگی میں "غیب" کا درست ترجمہ کر کے اپنے ہی موقف کی نفی کر دی جاتی؟ "غیب"، یعنی نہ نظر آنے والی چیز تو سامنے نہیں ہوتی اس لیے اس کا ثبوت کہاں سے آئیگا؟ اس لیے اس کو درست ترجمہ کر کے "ان دیکھی چیز یا غائب حقیقت" کیوں قرار دیا جائے؟ اگر قرار دے دیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ "قرآن ایسی بات "ضرور" کرتا ھے جو نہ نظر آ سکے اور نہ ثابت کی جا سکے۔ پس ترجمے کی شکل کو بگاڑنا موصوف کے لیے ناگزیر تھا۔
- غیب کے ساتھ ہی "ایمان" کا لفظ بھی منسلک ھے۔ غیب کا درست ترجمہ کیا جاتا تو اپنے دوسرے عقیدے سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے، یعنی ان دیکھے پر " ایمان لانا" تسلیم کرنا ضروری ہو جاتا؟ موصوف تو ایمان کا مفہوم "امن کی کیفیت" لیتے ھیں، ایمان لانا نہیں۔ یہاں تو ستم ظریفی یہ کہ بغیر کسی ثبوت، "غائب" چیز کو ماننا بھی پڑ رہا ھے اور اس پر "ایمان" بھی لانا پڑ رہا ھے۔ غیب کے درست ترجمے کے ساتھ ہی ایمان کا بھی درست ترجمہ کرنا پڑ جاتا اور ایجنڈے کا دوسرا مرکزی نکتہ بھی ضائع ہو جاتا؟
- اور ظاہر ھے کہ غیب اور ایمان دونوں کو مان لینے سے قرآن کی مادہ پرست ترجمانی کا غیروں سے ٹھیکے پر لیا ہوا فریضہ یا ایجنڈا، اور اس کی تکمیل کا معاملہ، کھٹائی میں پڑ جاتا۔۔

یہ عاجز یہ سمجھتا ھے کہ اگر صرف "عالم الغیب" کی قرآنی اصطلاح کا بغور مطالعہ کر لیا گیا ہوتا، تو موصوف اپنے ترجمے کی ابتداء ہی میں اس فاش غلطی کا ارتکاب کرنے کی ہمت نہ کرتے۔ یہ مرکبِ اضافی ان آیات میں استعمال ہوا ھے:-

الجن: ۲۶، التغابن:۱۸، الجمعہ: ۸، الحشر: ۲۲، الزمر: ۴۶، فاطر: ۳۸، الرعد: ۹، المومنون: ۹۲، التوبہ: ۱۰۵،۹۴ ۔۔۔ اور ان تمام مقامات پر "قدرت کے پیمانوں کا علم رکھنے والا" ، یعنی خود "اپنے ہی وضع کردہ پیمانوں کا علم رکھنے والا"

مراد لینا تمسخرانہ رویہ کی انتہاء ہی کہی جاسکتی ھے۔ لا محالہ ان مقامات پر "غیب، یا ان دیکھے نتائج، یا مستور حقیقتوں کا علم رکھنے والا" ہی کہا جاسکتا ھے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں۔

اس کے علاوہ بھی قرآن کے وہ تمام مقامات جہاں غیب کا درست ترجمہ " تقابلِ ضدین " کے ناقابلِ تردید اصول سے ثابت کر دیا گیا ھے، موصوف کی طرف سے قطعی نظر انداز کر دیے گئے ھیں۔ دیکھیے "عالم الغیب والشہادۃ " ۔ آیات: الانعام: ۷۳، التوبۃ ۹۳، ۱۰۵، الرعد ۹، المومنون: ۹۲، السجدہ: ۶، الزمر: ۴۶، الحشر: ۲۲، الجمعہ: ۸، التغابن: ۱۸، جہاں مستور اور مشہود، یعنی غائب اور حاضر کی تقابلی کیفیت "غیب" کے معانی کے من مانے تصرف کی ہرگز اجازت نہیں دیتی، سوائے اس کے کہ تصرف کرنے والی شخصیت براہِ راست تخریب کاری پر اتر آئے اور اپنے مقام و مرتبے کو داو پر لگا دے۔

پھر دیکھیے آیت نمبر: ۶/۵۹: وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ

ترجمہ: "الغیب" کی چابیاں اس ہی کے پاس ھیں۔ اسے { الغیب کو } اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

کیا موصوف بتا سکیں گے کہ یہ کونسے "قدرت کے پیمانے" ھیں جن کی چابی صرف اللہ ہی کی پاس ھے اور ان کا علم بھی صرف اسی کے پاس ھے؟ اس بیان کردہ صورت حال میں موصوف کیسے ان "قدرت کے پیمانوں" کے ساتھ "امن قائم کرنے" کی کوشش فرمائیں گے جن کا علم ہی وہ ذاتِ پاک فرماتا ھے کہ اس نے کسی کو دیا ہی نہیں؟ پس ثابت ہوا موصوف کا ترجمہ فی نفسہِ مہمل ولایعنی ھے۔

دوسرا نکتہ اس مقام پر یہ بھی ثابت ہوا کہ موصوف کا یہ بیان بھی کہ: ۔ قرآن ایسی کوئی بات ہی نہیں کرتا جو ثابت نہ کی جاسکے۔ سراسر تخیل کی بے تکی پرواز ھے۔ قرآن ایسی کئی باتوں کا ذکر فرماتا ھے جو انسان کی موجودہ سطح پر اس کے فہم سے بالا ھیں۔

یہ عاجز سمجھتا ھے کہ اس موضوع پر اتنا لکھ دینا ہی کافی ھے۔ قارئین صحیح یا غلط کا خود فیصلہ کر سکتے ھیں۔

عقیدہ نمبر ۶

۔ قرآن میں موت کا ذکر صرف قوموں کی موت کے ضمن میں ہی آیا ھے۔ جسمانی موت کا ذکر نہیں ھے۔

فرماتے ھیں " کہ یہ قانونِ قدرت ھے کہ کوئی شخص بھی جسمانی موت کے بعد زندہ نہیں ہوا کرتا " ۔

موصوف کے رواں ترجمے سے کئی تراجم، بمع موصوف کی تشریح و بحث، یہاں نقل کیے جاتے ھیں جو موصوف کے درجِ بالا قول یا عقیدے کی رو سے کیے گئے ھیں، تاکہ قارئین سوچ کی لائن کو سمجھ سکیں۔ اس عاجز کا تبصرہ ساتھ ہی مندرج ھے۔

البتہ یہ " قانونِ قدرت " موصوف نے کہاں سے اخذ فرمایا، یا اس کی سند میں صریح نصِ قرآنی کہاں ھے، حسبِ دستور کچھ پتہ نشان نہیں ھے۔

{۱}　آیت: ۲/۲۸:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

کیونکر تم قوانین قدرت کا انکار کر سکتے ہو۔ جب کہ تم محکوم تھے تو تم کو آزادی دی مزید یہ کہ تم محکوم بھی ہوتے ہو اور آزاد بھی رہو گے اور اسی کے قوانین کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

{۲} ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

تمہاری (اخلاقی) موت کے بعد ہم نے تم کو از سرِ نو زندہ کیا، تاکہ شکر کرو۔

یہ قانون قدرت ہے کہ کوئی شخص بھی جسمانی موت کے بعد زندہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے قرآن میں اکثر مقامات پر جہاں موت کا ذکر آیا ہے وہ قوموں کی اخلاقی موت کے حوالے سے ہے۔ مردہ قوم میں جب اخلاقیات کی روح پھونکی جاتی ہے تو پھر سے وہی مردہ قوم زندہ ہو جاتی ہے اور جسمانی لحاظ سے زندہ ہو کر بھی قومیں مردہ ہوتی ہیں۔

راقم کا تبصرہ:

"مزید یہ کہ تم محکوم بھی ہوتے ہو اور آزاد بھی رہو گے" ؟؟؟؟۔۔۔کیا یہ " ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ " کا درست ترجمہ ھے؟ اگر ھے تو گرائمر کے کس اصول کے تحت فاعل کو غائب کر دیا گیا ھے؟ یہاں تو کہا جا رہا ھے کہ " اس کے بعد وہ تمہیں موت دے دیتا ھے [یا، دے دے گا]، اس کے بعد پھر وہ تمہیں زندگی دے دیتا ھے [یا، دے دے گا] " ۔ یہ بالکل واضح ھے کہ موصوف کے وضع کردہ موت و زندگی کے نئے تراجم { محکومی اور آزادی } آیت کے اس حصے پر لاگو نہیں ہو سکتے تھے، اور لاگو کرنے سے موصوف کا ذاتی ترجمہ بالکل مہمل ہو جاتا، فلھذا آیت کے اس حصے کے متن کی ترکیب ہی بدل ڈالی گئی اور خود ساختہ ترجمہ کر دیا گیا۔ کیوں؟ آیئے موصوف کے ذاتی تراجم لاگو کر کے جملے کے اس حصے کی کیا شکل بنتی ھے، دیکھ لیتے ھیں:- " اس کے بعد وہ تمہیں "محکومی" دے دیتا ھے / دے دے گا، اس کے بعد پھر وہ تمہیں آزادی دے دیتا ھے / دے دے گا" ۔ کیا وہ بار بار اقوام کے ساتھ یہی کام کرتا رہتا ھے؟ یا دو دو بار ضرور اس طرح کا عمل کرتا ھے؟ کوئی ثبوت، یا مثال؟ کوئی بھی نہیں۔ لہذا، یہاں موت کو موت اور زندگی کو زندگی ہی ماننا پڑے گا اور دوسری مرتبہ کی زندگی کو حیاتِ آخرت ماننا پڑیگا۔ تبھی جملے کی سینس (sense) بن پائے گی۔

پھر فرمایا کہ:" یہ قانون قدرت ہے کہ کوئی شخص بھی جسمانی موت کے بعد زندہ نہیں ہوا کرتا " ۔ موصوف کے پاس اس قانونِ قدرت کی کوئی قرآنی سند یا ثبوت ھے؟ غالباً نہیں، کیونکہ اگر ہوتا تو موصوف ضرور پیش کرتے کیونکہ اسی اصول پر ہمیشہ زور دیتے ھیں۔

{۳} آیت نمبر ۲/۹۴،۹۵ / ۲ :

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّـهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ.. وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

کہہ دو کہ اگر خوشحالی کا دور قدرت کے نزدیک دوسروں کے علاوہ تمہارے ہی لیے مخصوص ہے اور تم اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو تو تم ہماری ناکامی کی آرزو تو کرو۔

مباحث:۔

اس آیت کے حوالے سے کہا جاتا ہے "کہ تم کفار سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو یعنی آخرت کا گھر تمہارے لئے ہے تو موت کی تمنا کرو"۔ یہ ایک بے مقصد سی بات ہو گی، اس لئے کہ کفار بھی اگر پلٹ کر یہی بات مومنین سے کہیں کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ

آخرت تمہارے لئے ہے تو تم موت کی تمنا کر کے دکھاؤ تو مومنین کے پاس کیا جواب ہوگا؟ دونوں میں سے کوئی بھی ایسی بے تکی بات جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے نہیں کریگا۔ اور اگر کوئی کہہ بھی دیتا ہے تو اس کا اثر کچھ بھی نہیں ہوگا اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔ یہ موت ناکامی سے متعلق ہے نہ کہ جسمانی موت۔ بفرض محال اگر یہ جسمانی موت ہوتی تو الموت کے بجائے موتٌ ہوتی۔

راقم کا تبصرہ:

موصوف کے اس مباحث کے خلاف کافی جاندار دلائل دیے جا سکتے ھیں ۔ لیکن یہ عاجز یہاں اختصار کی غرض سے موصوف ہی کی تحریر سے ان کے عقائد کا کھلا تضاد ثابت کرنے پر اکتفاء کرے گا جو قارئین کی رائے قائم کرنے کے لیے مددگار ہوگا۔ ملاحظہ فرمایئے یہ فقرہ:-

" بفرض محال اگر یہ جسمانی موت ہوتی تو الموت کے بجائے موتٌ ہوتی"۔

یعنی جسمانی موت، "الموت" نہیں ہوتی، بلکہ صرف "موت" ہوتی ھے۔

اب دیکھیے {۴} کے نیچے آیت ۱۳۳/ ۲ کے ترجمے میں "الموت" کو خود موصوف نے جسمانی موت ہی لکھا ھے { جس وقت یعقوب کو "موت" آئی } اور اس طرح اپنے خود ساختہ قانون کی صریحاً خلاف ورزی کی ھے۔ ہمارے لیے البتہ یہ مشکل پیدا کر گئے کہ ہم کیسے فیصلہ کریں کہ "الموت" کیا ھے اور "موت" کیا؟ اب خود ہی بتائیں کہ بیان کے اس تضاد اور عدم مطابقت کے بعد موصوف کے کس ترجمے کو درست مانا جائے؟

{۴} آیت: ۱۳۳/ ۲

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ

موصوف ہی کا ترجمہ:

جس وقت یعقوب کو موت آئی تو کیا تم اس وقت کے گواہ تھے، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی فرمانبرداری کروگے، تو انہوں نے کہا کہ آپ اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کے الٰہ کی فرمانبرداری کریں گے جو یکتا ہے اور ہم اُسی کے لیئے سلامتی کے دینے والے ہیں

راقم کا تبصرہ:-

اب یہاں اگر ہم موصوف ہی کے بنائے قانون کے تحت جو اس طرح ھے : " ۔ بفرض محال اگر یہ جسمانی موت ہوتی تو الموت کے بجائے موت ہوتی۔ "ترجمہ کو موصوف ہی کی لائن میں تبدیل کریں تو پھر اسکو اسطرح ہونا چاہیے:-

"جس وقت حضرت یعقوب کو" ناکامی" یا" محکومی" درپیش آئی تو کیا تم اس وقت کے گواہ تھے، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی فرمانبرداری کروگے۔۔۔۔وغیرہ"۔ کیا یہاں الموت کا موصوف کا خود ساختہ معنی استعمال کرنے سے سیاق وسباق کی رو سے کوئی قرین عقل معنی بنتا ھے ؟ یقیناً نہیں۔ اس لیے یہاں موصوف نے فی الفور اپناہی بنایا ہوا گرامر کا اصول بغیر ہچکچاہٹ تبدیل کر لیا۔یعنی "الموت" کو"موت" بنادیا۔

{۵} آیت: ۲/۱۵۴: وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

اور جو لوگ احکامات الٰہی کی راہ میں لڑائی کیے جائیں ان کو ناکام مت کہو وہ ناکام نہیں ہیں بلکہ زندگی دینے والے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو۔

راقم کا تبصرہ:

یہاں موصوف نے لفظ "یُقتَل" (yuqtalu) کا ترجمہ مسخ فرمایا اور" لڑائی کیے جائیں " درج فرما دیا، صرف اس لیے کہ درست ترجمہ " قتل کیے جائیں" کر دیا جاتا تو "اموات" کا ترجمہ بھی" ناکام" کی بجائے درست یعنی "موت" ہی کرنا پڑتا اور خود ساختہ موقف غلط ثابت ہو جاتا۔ کوئی موصوف سے یہ تو پوچھے کہ اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے آپ زبان دانی کے اصولوں کو کب تک تہ تیغ کرتے چلے جائیں گے ؟ کیا" لڑائی کیے جائیں" ایک مضحکہ خیز اظہارِ بیان اور غیر اصولی ترکیب نہیں؟ کیا اردو زبان میں ایسا اظہارِ بیان کبھی استعمال ہوتے دیکھا گیا ھے ؟

{٦} آیت: ۲/۱۶۱ :

انَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

یقینا جن لوگوں نے انکار کی روش اختیار کیئے رکھی اور اسی حالت میں ناکام ہوئے تو ایسے لوگ مملکت خداداد اور احکامات کے نافذ کرنے والے افراد اور سب انسانوں کے خلوص، محبت اور مروت اور مہربانیوں سے محروم ہوتے ہیں۔

خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ

وہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے۔ ان سے نہ تو عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

مباحث:۔

"وہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے" سے یہ مراد نہیں کے اب آئندہ ہمیشہ ان مراعات سے محروم رہیں گے بلکہ جب تک وہ اپنی روش نہیں بدلتے ان کو مراعات سے محروم رکھا جائیگا۔ یاد رکھیئے یہ کسی دوسری دنیا کی بات نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ اسی دنیا کی بات ہے۔

راقم کا تبصرہ :

یہاں لفظ "ماتو" یعنی "مر گئے" کو "ناکام ہوئے" کہنے کے لیے گرائمر کا کوئی قانون ھے ؟

موصوف کا خود ساختہ قانون تو یہ تھا کہ "الموت" [معرفہ] کا معنی ناکامی اور زوال ھے۔ یہاں تو معرفہ استعمال ہی نہیں ہوا بلکہ فعل "ماتو" استعمال کیا گیا ھے۔ اس کے علاوہ "خالدین فیھا" تو قرآن میں ہمیشگی کے لیے استعمال ھوا ھے اور ہمیشگی دنیاوی زندگی کا خاصہ ہی نہیں ھے۔ ساٹھ یا ستر سال کی کل متاعِ عمر ھے، اسے ہمیشہ رہنا کیسے کہا جا سکتا ھے ؟ موصوف نے "مباحث" میں اپنی جانب سے اس "ہمیشگی" کی نفی کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی ھے، لیکن وہ قرآنی متن کے برخلاف صرف ذاتی موقف کے اثبات کی ناکام کوشش ھے۔

اب قارئین کے موازنے کے لیے اوپر موصوف کے آیات ۲/۹۴، ۲/۹۵، کے ترجمے کے خلاف نیچے دوسرا ترجمہ، بمع تشریح، پیش کر دیا جاتا ھے :-

آیت نمبر ۲/۹۴، ۲/۹۵ : قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّـهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ..وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

ترجمہ: اگر اللہ کے ہاں آخرت کی زندگی کا ٹھکانہ / گھر دوسروں کیلیئے نہیں بلکہ صرف تمہارے لیے مخصوص ھے تو اگر تم واقعی اس تخصص کو سچ باور کرتے ہو تو پھر موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ لیکن وہ موت کی تمنا اپنے ان اعمال کی وجہ سے نہیں کریں گے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ھیں۔

قارئین یہاں " موت " ، " آخرت کا گھر " ، " اعمال کا آگے بھیجا جانا "، سب کے راست معنی ناقابلِ تبدیل ھیں۔ متن میں بیان کردہ فلاسفی ان الفاظ کے معانی ثابت کر رہی ھے۔ آپ دیکھتے ہی ھیں کہ یہاں نہ موت کا ترجمہ "قوم کی ناکامی" کیا جاسکتا ھے، نہ ہی آخرت کا ترجمہ "کچھ دیر بعد آنے والا اسی زندگی کا کوئی دور" کیا جاسکتا ھے، اور نہ اعمال کا اگلی دنیا یا آخرت کے دورِ زندگی میں احتساب کی زد میں آجانے کے معنی کو کسی اور رنگ میں لیا جاسکتا ھے۔

دو اور آیاتِ مبارکہ اور تشریح جو موصوف کے موقف کو مکمل رد کر دیتی ھے۔

آیت نمبر: ۳۹/۴۲:- اللَّـهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

ترجمہ: اللہ موت کے وقت روح / شعور / دماغ { الانفس } کے عمل کا اختتام یا اتمام { یتوفی } کر دیتا ھے اور ان کے ساتھ بھی یہی کرتا ھے جو مرے نہیں ہوتے، اپنی نیند میں ہوتے ھیں۔ پھر وہ اسی حالت میں ان کو روک رکھتا ھے جن پر موت واقع / وارد ہوگئی ہو اور دوسروں کو واپس بھیج دیتا ھے ایک متعین مدت کے خاتمے { اجل } تک کے لیے۔ بیشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ھیں۔ کیا یہاں **موصوف کا الموت کا ذاتی ترجمہ بروئے کار لایا جاسکتا ھے؟**

آیت : ۱۴/۱۷ :- يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ۔

ترجمہ: "۔۔۔۔۔۔الموت ہر سمت سے اس کی طرف آرہی ہوگی مگر وہ نہ مر سکے گا۔ جبکہ ایک بھاری عذاب اس کے پیچھے لگا رہیگا۔

"یہاں بھی "الموت" استعمال ہوا ھے اور ساتھ ہی "میت" بھی۔ بہت ممنون ہونگا اگر موصوف یہاں اپنا ترجیحی ترجمہ لاگو کر سکیں؟

عقیدہ نمبر ۷

قرآن میں "زنا" کا لفظ صرف "دین کے بگاڑ" یا" نظریہ (ideology) کی توڑ پھوڑ یا ملاوٹ " کے معنی میں آیا ھے، جنسی تناظر میں نہیں۔ نیز ناجائز جنسی تعلق کے بارے میں کوئی ہدایات یا تعزیرات نہیں بتائی گئیں۔

موصوف کی تحریر میں یہ بھی لکھا دیکھا گیا کہ:

"Quran does not say anything about pre-marital Sex"

ترجمہ: قرآن شادی سے قبل {یا شادی کے بغیر} جنسی عمل کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

البتہ یہ تحریر گرفت میں آجانے کے خوف سے بلاگ کے صفحات سے اچانک غائب کر دی گئی۔ جس سے فری سیکس کے مادی ایجنڈے کی تکمیل کی کاروائی میں کچھ خلل پڑ گیا۔

موصوف کا موقف یہ ھے کہ یہ معاملہ حکومتِ وقت اور معاشرے کے حالات پر چھوڑ دیا گیا ھے۔ جنسی بے راہروی یا اسکی سزا کا کوئی ذکر ہی نہیں ھے۔ تفصیل کے لیے موصوف کی کتاب: "زنا قرآن کی نظر میں" ۔ نیز بلاگ کے صفحات پر مباحث۔

یعنی: زنا ایسا کوئی اہم مسئلہ نہیں جس پر خدائی احکامات صادر کیے جاتے۔ موصوف کی اس تشریح سے ان کے متبعین میں " فری سیکس" کے جذبات تیزی سے پرورش پا رہے ھیں۔

لفظ " زنا" کا جو لغوی ترجمہ موصوف نے " نظریہ میں ملاوٹ یا اسے مسخ کرنا" کے معنوں میں کیا ھے، اور جس طرح شرک اور زنا کو ایک ہم پلہ نظریاتی جرم ثابت کیا ھے وہ اپنی جگہ درست بھی ہو، جیسا کہ یہ عاجز بھی باور کرتا ھے، تو اس سے یہ جواز ہرگز نہیں پیدا ہوتا کہ جنسی بے راہروی کی دین میں کھلی اجازت دے دی گئی ھے۔ موصوف تو بظاہر اپنے مخصوص ایجنڈے کے تحت یہی نتیجہ اخذ کرنے پر تلے کھڑے ھیں۔ آیئے مختصراً قرآن سے یہ ثابت کر دیتے ھیں کہ

اللہ تعالیٰ نے پوری تاکید کے ساتھ، قانونی اور میثاق کے پابند { ۴/۲۱ } ازدواجی رشتے کے علاوہ، کسی بھی قسم کے جنسی عمل یا تعلق سے صریحاً ممنوع فرمایا ھے۔

آیت: ۴/۲۴ :

۔۔۔۔۔وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ كِتَابَ اللَّـهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ

ترجمہ:۔۔[سابق سے جاری شدہ]۔۔۔ اور حرام کی گئیں تم پر شادی شدہ عفت مآب عورتیں بھی ماسوا ان کے جو سرپرستی کے حلف کے تحت تمہاری کفالت / نگہبانی / ماتحتی میں ہوں۔ اللہ نے قانوناً تمہاری ذمہ داری میں دی ہوں۔ اور اس سے ماوراء تمہارے لیے سب جائز ھیں کہ انہیں اپنے اموال کے ذریعے حاصل کرنا چاہو، عفت مآب طریقے سے یعنی شادی کے ذریعے، غیر قانونی جنسی تعلق کے لیے نہیں۔ پھر تم ان کی صلاحیتوں سے جو بھی استفادہ کرو تو ان کے پورے حقوق فریضہ کی طرح ادا کرو۔۔۔۔

آیت: ۴/۲۵ :

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّـهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ

ترجمہ: اور جن کو تم میں سے طویل عرصہ تک باعصمت مومنات سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو وہ ان مومن لڑکیوں میں سے ایک سے نکاح کرلے جو تمہارے معاشرے میں سرپرستی کے حلف کے تحت تمہاری کفالت اور نگہبانی میں ہوں۔ اور یاد رہے کہ اللہ تمہارے ایمان و دیانت کا بہتر علم رکھتا ھے۔ تم سب ایک دوسرے میں سے ہو۔ پس ان سے ان کے متعلقین کی اجازت سے نکاح کرو اور ان کو پورے حقوق معروف طریقے سے ادا کرو، اور یہ سب پاکدامنی کے ساتھ ہو نہ کہ آزاد جنسی عمل کے لیے یا پوشیدہ جنسی تعلقات کے لیے۔

آیت: ۵/۵ :

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ

ترجمہ: آج تمہارے لیے تمام خوشگوار / موزوں چیزیں حلال کر دی گئیں۔ اور اہلِ کتاب کا طعام تم پر حلال ھے اور تمہارا طعام ان پر حلال ھے۔ اور حلال ھیں مومنات میں سے عفت مآب عورتیں اور تم سے ما قبل میں دی گئی کتاب والوں میں سے عفتِ مآب عورتیں۔۔ اگر۔۔ تم ان کے حقوق ادا کرو اور انہیں باعصمت طریق سے {شادی شدہ} رکھو نہ کہ آزاد جنسی تعلق کے لیے اور نہ ہی پوشیدہ تعلقات کے لیے۔

آیت ۳۳/۲۴ : وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّـهُ مِن فَضْلِهِ

ترجمہ: اور وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت نہ پائیں، ضبطِ نفس سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں صاحبِ استطاعت کر دے۔

اس عاجز کی رائے میں اگر موصوف ایک خاص خارجی ایجنڈے پر عمل پیرا نہ ہوتے تو اپنی زنا سے متعلقہ کتاب میں زنا کے نئے معانی متعارف کرنے کے ساتھ ساتھ درج بالا آیات بھی ضرور درج فرما دیتے تا کہ ان کی کتاب متنازعہ نہ بن پاتی اور نہ ہی ان کی ناکافی تشریح سے دینِ اسلام میں فری سیکس کا تصور پیدا ہو پاتا۔ لیکن جب موصوف خود ہی درج ذیل قسم کے فیصلے جاری کریں گے تو پھر ایجنڈے پر کام کرنے کا شبہ یقین میں بدلتے دیر نہیں لگے گی:-

"Quran does not say anything about pre-marital Sex "

ترجمہ: قرآن شادی سے قبل کے جنسی عمل کے بارے میں {یعنی دراصل "شادی کے بغیر جنسی عمل":} کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

قارئین بآسانی فیصلہ کر سکتے ھیں کہ کیا واقعی نہیں کہتا؟

عقیدہ نمبر ۸

۔ تاریخ کو کوئی حقیقت نہیں ہے۔ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔اس کو تاریخی تناظر میں دیکھنا غلطی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے آستانہ بلاگ سے ایک اقتباس:-

Dear ………….,
You are right that " man written history should have no base to 79 79 understand Quran ."
We can easily omit the history to interpret Quran .
such quotations are for those who have old interpretations engraved and can only be scratched and erased by nullifying their I from their own teachings .
However if yoy think our grammatical approach is enough , we can always depend upon grammatical translations .

24.1.2011 Thanks for the comment. Dr. Qamar Zaman

ترجمہ: ڈیر………..، آپ درست ھیں کہ " انسانی لکھی تاریخ کو قرآن کو سمجھنے میں کوئی بنیادی درجہ نہیں دینا چاہیے۔ ہم قرآن کی ترجمانی کرنے میں تاریخ کو آسانی سے نظر انداز کر سکتے ھیں۔ ایسے حوالے صرف ان کے لیے ھیں جو قدیمی تفسیروں کو دماغ میں نقش کیے ہوئے ھیں،اور یہ صرف اس صورت میں مٹائی جا سکتی ھیں کہ ان کی اپنے تعلیمات کو بے کار قرار دے دیا جائے۔ تاہم اگر تم بھی سمجھتے ہو کہ گرائمر کا ذریعہ کافی ھے، تو ہم ہمیشہ گرائمری تراجم پر انحصار کر سکتے ھیں ۔ تبصرے کا شکریہ۔ڈاکٹر قمر۔۲۴۔۱۔۲۰۱۱ "

– – – – – – – – – –

قارئین، اس اہم موضوع پر موصوف کے بیان کے خط کشیدہ الفاظ "کافی جراتمندانہ بیان" کی حیثیت رکھتے ھیں، یعنی تاریخ کی اہمیت سے مکمل انکار۔ سوچ کی ناپختگی کا یہ عالم ہے، کہ یہ ناقابلِ تردید حقیقت بھی قریب سے نہ گزری کہ خود رسول اللہ کی ذات اور قرآن کی شناخت بھی صرف اور صرف تاریخ سے ہی ہو سکتی ھے۔ امت مسلمہ کے پاس نہ تو کوئی آثار موجود ہیں، نہ دستاویزی ثبوت، نہ کوئی نشان اور نہ کوئی باقیات۔ نہ ہی رسالتمآب کی حکومت الٰہیہ کا کوئی ریکارڈ۔ حتیٰ کہ مزارِ اقدس کی توثیق بھی تاریخ ہی کرتی ھے۔ تاریخ ہی ہماری وہ اساس ھے جس پر کھڑے ہو کر ہم اسلام کے بارے

میں کوئی بھی تبصرہ، آرٹیکل، تھیسس یا تصنیف مرتب کرتے ھیں۔ رسول کی سیرت بھی تاریخ ھے۔ تمام تفاسیر بھی تاریخ ھیں۔ عربی ادب، لغات، حدیث، اسلامی فقہ، سب اسی تاریخ کا حصہ ھیں۔ ملاحظہ فرمایئے علامہ پرویز جیسے بلند پایہ ہمہ گیر علمیت کے حامل سکالر کا تاریخ کے بارے میں بیان، بمع قرآنی حوالہ:-

" مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ حصولِ علم کے بنیادی ذرائع ہیں۔ قرآنِ کریم ان ذرائع سے کام لینے پر بڑا زور دیتا ھے۔ انسان اور حیوان میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ ایک نسل (generation) یا ایک زمانے کا انسان اپنے تجربات اور مشاہدات کو اگلی نسل تک منتقل کر دینے کی صلاحیت رکھتا ھے۔ اسے تاریخ کہا جاتا ہے۔ نوعِ انسان کی تمام ترقیوں کا راز اسی میں مضمر ہے۔ زمانہ اپنے ارتقائی منازل اسی کے سہارے طے کرتا چلا آرہا ہے۔ تاریخ کیا ہے؟ قرنہا قرن کی انسانی جدوجہد کا ماحصل۔ ہزارہا سال کی مسلسل تگ و تاز کا نچوڑ۔ اقوام و ملل کی سینکڑوں پشتوں اور نسلوں کا اندوختہ۔ انسان کے قلب و دماغ کی کاوشوں کا سیلِ رواں جو اپنے سرچشمہ کے قریب ایک جوئے کم آب سے زیادہ نہ تھا لیکن جوں جوں آگے بڑھتا گیا حدود فراموش ہوتا گیا۔ یہ وجہ ہے جو قرآنِ کریم تاریخ کے مطالعہ پر اس قدر زور دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ ۔۔۔ولقد انزلنا الیکم آیٰت بینٰت و مثلا من الذین خلو من قبلکم و موعظۃ للمتقین[۳۳/۲۴] ۔۔۔{ ہم نے تمہاری طرف اپنے واضح قوانین نازل کیے اور ان قوانین کے ساتھ اقوامِ سابقہ کے احوال و کوائف بھی نازل کیے جن میں ان لوگوں کے لیے جو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچنا چاہتے ہیں، سامانِ عبرت و موعظت ہے }۔"

اب ملاحظہ ہو موصوف کا بلاگ پر ایک جواب جس سے تاریخ پر موصوف کی دسترس کی حدود کا درست اندازہ لگایا جا سکتا ھے۔ اس سوال جواب کے بعد آپ موصوف کی اس مجبوری سے اتفاق فرمائینگے کہ جب علمِ تاریخ کی اہمیت سے " آگاہی" کا یہ عالم ہو تو پھر اس پورے علم ہی کی نفی کرنا کتنا ضروری ہو جاتا ھے،،،، پڑھنے کے بعد ضرور بتائیں کہ آپ کی کیا رائے ھے؟

پہلے موصوف سے کیا گیا سوال:-

"Dr Sahab And Mambers
Is it possible that wahi reveals on some nabi other then Quran in these days at any nation. "

ترجمہ: "ڈاکٹر صاحب اور ممبران

کیا یہ ممکن ھے کہ آج کے دور میں کسی قوم میں کسی نبی پر قرآن کے علاوہ اور کتاب نازل ہو؟"

اور اب موصوف کا "شاندار" جواب ملاحظہ فرمایئے:-

"**If someone comes to the standard of ar- Rasool as described in detail in Quran and The Creator choses him then why not . The population in days of Prophet Mohammad was not more then few thousands in middle east .For few thousands of people in Middle East at any time in the past it is said that more than hundred thousands of prophet came The population now is in millions .**
We are bankrupt morally and ethically, . We have no morals and no values to follow , We don't see any role model to follow . To add further upon it no messenger ....what a pity .
The leaders wether religious or social are characterless .
Do you think today with all this femine stricken calamity there can be no person to guide us .?
This is no justice to stop coming of prophets when it is needed most ....!"

ترجمہ: "اگر کوئی الرسول کے معیار پر پورا اتر آئے جیسا کہ قرآن میں واضح کیا گیا ھے، اور خالق اسے چن لے، تو کیوں نہیں ہو سکتا؟
مڈل ایسٹ کی کل آبادی نبی کے دور میں چند ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ کسی بھی ماضی کے وقت میں کہا جاتا ھے کہ ان چند ہزار لوگوں کے لیے ایک لاکھ سے زیادہ نبی آئے۔ اب آبادی دسیوں لاکھ میں ھے۔ ہم اخلاقی اور اصولی لحاظ سے دیوالیہ ھیں۔ ہمارے پاس نہ اخلاقی اصول ھیں نہ اقدار جنھیں فالو کیا جائے، ہمارے پاس کوئی فالو کرنے کیلئے کردار کا نمونہ بھی نہیں ھے۔ اس سب پر مستزاد، کوئی نبی بھی نہیں ھے۔ کیا بے بسی ھے؟ لیڈرز خواہ مذہبی ہوں یا سماجی بے کردار ھیں۔ کیا آپ سمجھتے ھیں کہ اس قحط زدہ بربادی میں ہمیں گائیڈ کرنے کے لیے کوئی انسان نہیں ہو گا؟

نبی کو آنے سے روکنے میں کوئی انصاف نہیں ھے جبکہ آج اس کی ضرورت سب سے زیادہ ھے۔"

{ترجمہ ختم}

--

محترم قارئین، موصوف کا یہ جواب غالبا " انتہائے علم و خبر ھے، بلکہ کمالِ کشف و اکتشاف" کی حیثیت رکھتا ھے۔ جتنی "تعریف" کی جائے کم ھے۔ مگر دیکھیے، اس شاندار جواب کا نہایت دلچسپ جواب الجواب، کسی اور کی زبانی، آپ کے ملاحظہ کے لیے درج ذیل ھے جس کے بعد اس ناچیز کو کچھ بھی تحریر کرنے کی حاجت نہیں رہیگی۔ براہِ کرم غور سے ملاحظہ فرمائیں:-

جواب الجواب از بھٹی صاحب

{ قارئین یہاں طوالت کے خوف سے "جواب الجواب" کا انگریزی متن حذف کر دیا گیا ھے۔ صرف اردو ترجمہ پیش ھے }

ترجمہ: " آستانہ ممبرز پر سلامتی ہو۔

یہ گزشتہ چار ماہ میں میری پہلی تحریر ھے۔ میں ایک ناظر رہنا پسند کرتا ہوں، لیکن:

اس سلسلہِ بحث میں ڈاکٹر قمر کا جواب نہایت مایوس کن ھے، ایسے ہی جیسے کہ ------۔ کا ڈاکٹر صاحب کی تائید میں جاری کردہ " بلینک چیک " ۔ میرا مطلب ھے کہ یہ کیا نامعقولیت ھے کہ یہ آدمی ڈاکٹر صاحب کے بیان سے بغیر کسی ہچکچاھٹ اور تحفظات کے سیدھا متفق ہو گیا، اور وہ بھی ان کے اپنے الفاظ کی کھوکھلی سند پر۔ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ھے کہ دونوں کا دماغ اس معاملے میں کافی پراگندہ معلوم ہوتا ھے۔ مثال کے طور پر دیکھیں:-

ڈاکٹر قمر: " محمد رسول اللہ کے دور میں مڈل ایسٹ کی کل آبادی چند ہزار سے زیادہ نہ تھی "۔

بھٹی: " چند ہزار "؟ تاریخ کی اس سے بڑی تحریف کبھی نہیں سنی---اور------یہ " تعدادِ آبادی " پورے مڈل ایسٹ " کا احاطہ کرتی ھے، صرف عرب کا نہیں؟ مہربانی فرما کر ہمیں اس تاریخ کا حوالہ ضرور دیں جو آپ کو ایسے آنکھیں کھول دینے والے حقائق بتاتی ھے؟ کیا آپ ایسا کر سکیں گے؟ جناب آپ مجھے مجبور کر رہے ھیں کہ آپ کی اس " عالمانہ تحقیق " کی تعریف کی جائے۔ لیکن---[مشکل یہ ھے کہ] منحوس، بگاڑی ہوئی، بے کار تاریخ {کسی بھی مسلم تاریخ

کی کتاب چیک کرلیں} نے یہ بتایا ھے کہ محمد رسول اللہ نے ۶۳۰ عیسوی میں {۹ ھ} غزوہ تبوک کے لیے جس لشکر کی رومن افواج سے لڑنے کے لیے راہنمائی کی، وہ ایک تیس ہزار نفری کا لشکر تھا۔ {اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمام مڈل ایسٹ رسول کی اس فوج میں شامل تھا، کیونکہ تمام مڈل ایسٹ چند ہزار آبادی پر مشتمل تھا، بقول ڈاکٹر قمر؟}۔
ہماری "بے کار تاریخ" یہ بھی بیان کرتی ھے کہ {کسریٰ ہرمزد چہارم ۵۷۹-۹۰ کے دور میں} لاکھوں یہودی عراق سے نقل مکانی کرکے عرب کے طول و عرض میں آباد ہوگئے۔ رسول کی تاریخِ پیدائش یاد رہے: ۵۷۰ عیسوی۔ ایسا کیسے ہوا کہ یہ مہاجر یہودی گروپ لاکھوں میں تھا جبکہ مڈل ایسٹ کی کل آبادی " چند ہزار " تھی؟ یہ عظیم یہودی " فوج " تو تمام مڈل ایسٹ یونہی تسخیر کرسکتی تھی؟ ہماری بے کار تاریخ یہ بھی بیان کرتی ھے:-
۶۲۹-۶۱۰ع کے دوران ایران اور روم ایک دوسرے کے ساتھ ایسے عساکر کے ساتھ متحارب رہے جن کی تعداد اکثر مرتبہ لاکھوں میں ہوتی تھی۔ مڈل ایسٹ میں یہ بڑی بڑی فوجیں کہاں سے آئیں جبکہ، آپ کہتے ھیں، کہ تمام مڈل ایسٹ میں کل آبادی " چند ہزار " تھی؟

ڈاکٹر قمر: "اگر کوئی الرسول کے معیار پر پورا اتر جاتا ھے، جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ھے، اور خالق اسے چن لیتا ھے تو نبی کیوں نہیں آسکتا"۔

بھٹی: رائے۔۔۔جوڑ توڑ۔۔۔۔اندازے بازی۔۔۔۔تو ہم۔۔۔۔۔یہ آخر کیا ھے جناب؟
قرآن تو یہ بالکل نہیں کہتا کہ اور رسول آئیں گے۔۔۔۔۔۔تو پھر آپ اس نکتے پر کوئی فیصلہ کیوں کر دے سکتے ھیں؟ وہ بندہ اوپر کے ریمارکس میں ٹھیک حوالے دیتا ھے جو یہ ثابت کرتے ھیں کہ قرآن رسولوں کے بارے میں صرف ماضی کے صیغے میں بات کرتا ھے۔
اور۔۔۔" اگر خالق اسے چن لیتا ھے " ۔۔۔۔؟ کیا خالق نے چننا ایک بار پھر شروع کر دیا ھے؟ آپ کا تو یہ بیان ریکارڈ پر ھے جناب کہ کوئی خالق نہ کسی کو چنتا ھے نہ ہی کسی کو وحی بھیجتا ھے، یہ تو صرف " نیچر ھے جو اپنے آپ کو بندے پر ظاہر کر دیتی ھے " {کسی ایسے بندے پر جو برتر علم و دانش حاصل کرلیتا ھے} ؟ کیا یہ ایک نیا " یوٹرن " ھے؟ یا پھر آستانہ پر آپ لوگ قرآن کو ایک بکواس کرنے کا آلہ بنا کر اس سے کھیل رہے ھیں؟ اتنے فاش قسم کے تضادات کے ساتھ؟

ڈاکٹر قمر: لیڈرز خواہ مذہبی ہوں یا سماجی، بے کردار ھیں۔ کیا آپ سمجھتے ھیں کہ اس قحط زدہ بربادی میں ہمیں گائیڈ کرنے کے لیے کوئی انسان نہیں ہو گا؟

نبی کو آنے سے روکنے میں کوئی انصاف نہیں ھے جبکہ آج اس کی ضرورت سب سے زیادہ ھے۔"

بھٹی: آپ کا مطلب ھے کہ لیڈرز گائیڈ نہیں کرتے۔۔۔ صرف رسول گائیڈ کرتے ھیں؟

تب پھر کون ان تمام ترقی یافتہ امیر، ویلفیر، سفید فام قوموں کو گائیڈ کر رہا ھے؟ لیڈرز یا رسول؟۔۔۔ جہاں تمام دنیا اپنے لیڈرز کی راہنمائی سے ترقی کر رہی ھے، وہاں آپ بہت سپیشل لوگ ھیں جو ترقی صرف جب ہی کر سکیں گے جب کوئی رسول آئے گا؟ کیوں؟ یہ کیا مذاق ھے؟ یہ آپ کی طرف سے بڑا غیر فطری اور دور از کار مطالبہ ھے کہ آپ کو صرف رسول درکار ھیں، نہ مصلح اور نہ مخلص لیڈر؟ آپ تو جناب انتہاء تک پہنچ رہے ھیں۔ آپ تو بڑے دور دراز کے فیصلے کرتے ھیں۔ آپ تو لوگوں کے ساتھ دھوکا دہی کی واردات میں ملوث ھیں۔ آپ تو جناب کسی خفیہ ایجنڈے پر کام کر رہے ھیں۔ ایسا ظاہر ہوتا ھے جناب۔۔۔۔ کہ کہیں آپ ہی تو نئے آنے والے۔۔۔ رسول۔۔۔ نہیں ھیں؟

ڈاکٹر قمر: " ماضی میں یہ کہا جاتا ھے کہ لاکھ سے زیادہ نبی آئے "۔

بھٹی: ایسا کس نے کہا ھے، جناب؟ اگر قرآن نے؟۔۔۔ تو کہاں؟۔۔۔ اگر نہیں تو۔۔۔۔ آپ ایک غیر قرآنی بکواس کا حوالہ کیوں دیتے ھیں جناب؟

اگر آپ اسے تاریخ سے لے رہے ھیں، تو میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ آپ ایک منافق ھیں جناب۔ آپ تو اپنی تحریروں میں تاریخ کی نفی اور اسے مطعون کرتے ھیں۔ اب آپ تاریخ سے افسانے کیوں اخذ کر رہے ھیں، اور آپ اپنے استدلال کے حق میں دیومالا سے حوالے دے رہے ھیں؟

مہربانی فرما کر میرے تبصرے کا برا مت منائیے گا۔ میرے پاس لکھنے کا وقت نہیں ہوتا، مگر جس پست معیار کی دانش اور علم آپ نے تحریراً دکھایا ھے، اس نے مجھے مجبور کیا کہ اس منافقانہ بکواس کو مسترد کروں۔۔۔۔ افسوس ھے۔۔۔ لیکن یہ ظاہر ھے کہ آپ قرآنی تعلیم میں فراڈ شامل کرنے کے کسی مشن پر کام کر رہے ھیں۔ اور اس کے لیے آپ تاریخ اور

دیومالا سے بھی مدد لے لیتے ہیں، جو کہ آپ کے واضح موقف، اور آپ کے متبعین کے واضح موقف کے بالکل خلاف ہے
۔"

بھٹی صاحب کا تبصرہ ختم۔

قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ درج بالا تفصیلی و خود مکتفی تبصرہ موصوف کے بلاگ پر پوسٹ ہوتے ہی فی الفور حذف کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ بحیثیتِ مجموعی اس ادارے کے اور اس کے سربراہ کے علمی معیار و دسترس کی پول کھول دیتا ہے ۔ بہر حال ادارے کے اس قسم کے متواتر اقدامات سے ادارے کی دیانت داری اور سچائی کا پول پہلے ہی بخوبی کھل چکا ہے۔ یہ ایک افسوسناک عمومی مشاہدہ ہے کہ حیات بعد الموت پر یقین نہ رکھنے والوں کی اکثریت روحانی اقدار اور اخلاق عالیہ سے عاری ہوتی ہے۔ یہ مادہ پرستی کا خاصہ ہے اور دہریت کے فلسفے کا شاخسانہ۔

عقیدہ نمبر ۹

"المحیض" عورتوں کے حیض کو نہیں کہا جاتا بلکہ جنگوں میں خون کے بہنے کا ذکر ھے۔

آیت ۲۲۲ / ۲ کے سیاق وسباق میں کیونکہ جنگوں کا ہی ذکر ھے اس لیے المحیض جنگوں میں خون بہنے کو کہا گیا ھے۔ آخر قرآن عورتوں کے ایک طبیعی عمل کا کیوں ذکر فرمائے گا جس کو انسان اچھی طرح جانتا ھے۔ ملاحظہ ہو ویب سائٹ پر جناب موصوف کا ترجمہ، سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۲ / ۲ اور اس سے متعلقہ موصوف کی تشریح وبحث:-

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّـهُ ۚ إِنَّ اللَّـهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ

" اورلوگ تم سے خون ریزی کے بارے میں دریافت کریں گے، کہہ دو کہ وہ تو ایذاء اور تکلیف ہے اس لئے کمزور لوگوں پر خون ریزی کے معاملے میں خونریزی سے علیحدگی اختیار کرو۔ اور جب تک وہ غیر الہی احکامات سے اپنے آپ کو علیحدہ نہ کرلیں ان سے تعلقات قائم نہ کرنا۔ البتہ جب غیر الہی احکامات سے پاک ہوجائیں تو جس طرح احکامات الہی میں ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کی مملکت توبہ کرنے والوں اور غیر الہی احکامات سے پاک صاف لوگوں کو محبوب رکھتا ہے۔"

اب ملاحظہ فرمایئے موصوف کی درج بالا ترجمہ کے حق میں بحث:-

مباحث:-

اس آیت میں لفظ الْمَحِيضِ آیا ہے۔ اس کا مادہ ح ی ض ہے۔ علامہ رشید نعمانی لکھتے ہیں۔۔۔ "یہ ظرف زمان۔ (وقت حیض) ظرف مکان (مقام حیض) اور مصدر (حیض آنا) یا بمعنی حیض یعنی وہ فاسد خون جو مخصوص زمانے اور مخصوص حالت میں

تندرست،جوان غیر حاملہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے۔" (لغات القرآن ،جلد پنجم صفحہ ۳۳۲)

محیض جیسا کہ علامہ صاحب نے فرمایا "اسم ظرف " ہے جس کا مطلب ہوا کہ سوال حیض کی جگہ یا وقت سے متعلق نہیں ہے ورنہ سوال بھی بے محل ہے اور جواب بھی بے محل۔

اب رہا سوال کہ کیا لفظ المحیض کو بطور مصدری معنوں میں لیا جائے تو بھی جواب نفی میں ہے۔عورت کے خاص ایام میں جو کیفیت ہوتی ہے اس سے متعلق سوال کیا جائے گا؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔کیونکہ جواب بتا رہا ہے کہ یہ عورت کی اس کیفیت سے متعلق نہیں ہے۔جواب دیا گیا قُلْ هُوَ أَذًى) کہو کہ یہ ایذاء ہے)۔ یہ ایک ایسا دو ٹوک بیان ہے جس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔۔۔۔۔۔ لیکن کیا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر تو اس کی تصدیق ہوتی ہے تو یہ ترجمہ حتمی ہے ورنہ اس ترجمے میں خامی ہے۔۔۔۔حالت حیض میں کچھ عورتوں کو یقینا تکلیف ہوتی ہے لیکن یہ اصول نہیں ہے۔ہر ماں اپنی بچی کے لئے پریشان نظر آتی ہے کہ کہیں اس کی بچی کے کپڑے حیض کے خون سے نہ بھر جائیں اور اسے پتہ بھی نہ چلے۔چند خواتین ہی ہوتی ہیں جو اس تکلیف کے لئے ڈاکٹروں سے علاج لیتی ہیں؟ دوسری اہم بات کے یہ المحیض ہے یعنی معرف بالام ہے جس میں کسی خاص حیض کی بات ہو رہی ہے۔اس لئے یہ آیت خواتین کی اس حالت کے متعلق جسے حیض کہا جاتا ہے قطعا نہیں ہے۔

راقم کا تبصرہ:

موصوف درج بالا بحث میں گرامر کا اصول بھی بیان کرتے ھیں پھر اس سے صاف انحراف بھی فرماتے ھیں ۔ دیکھیے موصوف کا بیان:-

"محیض جیسا کہ علامہ صاحب نے فرمایا "اسم ظرف" ہے جس کا مطلب ہوا کہ سوال حیض کی جگہ یا وقت سے متعلق نہیں ہے"۔

اب اس بیان میں واقعہ تضاد کے بارے میں کیا کہا جائے؟ سوال "حیض کی جگہ یا وقت سے متعلق" کیوں نہیں ھے؟ اسمِ ظرف تو ہمیشہ ظرفِ زمان و ظرفِ مکان ہی کو ظاہر کرتا ھے۔ تو پھر محیض [اسمِ ظرف] کا مطلب حیض کے مقام / جگہ یعنی ظرفِ مکان، یا حیض آنے کا وقت یعنی ظرفِ زمان سے متعلق کیوں نہیں ھے؟ کیا کسی کے پاس اس خاص طرز کے استدلال کا کوئی جواب ہو سکتا ھے؟ سوائے ایک غیر موجود پیچیدگی از خود پیدا کر کے ترجمہ کو ذاتی رنگ دینے کی کوشش کے علاوہ اسے اور کیا کہا جا سکتا ھے؟ یہ موصوف کے تضادات سے پُر اسلوبِ نگارش کا ایک اور ثبوت ھے۔

ھر فعل سے اس کام کے کرنے یا ہونے کی "جگہ" یا "وقت" بنانے کے لئے "مفعل" { ع پر زبر اور زیر حسب قاعدہ } کے وزن پر اسم مکان یا زمان بنا لیا جاتا ھے۔ یہی اسم ظرف کا سیدھا سا اصول ھے۔ مقتل: قتل کرنے کی جگہ، قتل گاہ، قتل کرنے کا وقت یا زمانہ۔ مغرب: سورج غروب ہونے کی جگہ یا وقت۔ مسجد: سجدہ کرنے کی جگہ یا وقت۔ مقعد: بیٹھنے کی جگہ یا وقت، وغیرہ۔

چلیے درج بالا آیت میں کچھ دیر کے لیے ہم " المحیض " کا مطلب " جنگ کے دوران خون کا بہنا " مان لیتے ھیں۔ اور دیکھتے ھیں کہ یہی معنی کسی دوسرے مقام پر فٹ بیٹھتا ھے یا نہیں؟ آیئے دیکھ لیتے ھیں تصریف الآیات کے اصول کے تحت ایک اور آیت میں " المحیض " کا استعمال، جس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ھے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا موقف درست نہیں ھے، اور یہ لفظ غالباً خواتین کے فطری سائیکل ہی سے تعلق رکھتا ھے:-

آیت: ۶۵/۴ :

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّـهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا

ترجمہ: اور تمہاری نساء میں سے جو حیض کے اوقات سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تم ان کے معاملے میں شک میں مبتلا ہو جاو، تو ان کی عدت کا شمار تین ماہ ھے اور ان کے لیے بھی جنہیں حیض نہ آتا ہو / آیا ہو۔ اور حاملہ خواتین کا وقت پورا ہوتا ھے ان کے وضعِ حمل پر۔

جو اللہ کے قوانین کی پرہیزگاری کرتے ھیں وہ ان کے لیے معاملات آسان فرما دیتا ھے
۔

قارئینِ کرام یہاں سیاق وسباق میں بات طلاق سے متعلق چل رہی ھے۔ "نساء" بھی یہاں خالص نکرہ میں عورتوں کے لیے استعمال کیا گیا ھے۔ کیا یہاں ڈاکٹر صاحب " محیض " کا ترجمہ "جنگوں میں بہنے والا خون" ثابت کر سکیں گے ؟ غالباً ہرگز نہیں۔
نیز موصوف کا یہ بیان : " دوسری اہم بات کے یہ المحیض ہے یعنی معرف بالام ہے جس میں کسی خاص حیض کی بات ہو رہی ہے۔ اس لئے یہ آیت خواتین کی اس حالت کے متعلق جسے حیض کہا جاتا ہے قطعاً نہیں ہے۔"۔۔۔۔ آیت ۶۵/۴ پر پہنچ کر بالکل فسخ ہو جاتا ھے کیونکہ یہاں بھی "المحیض" ہی استعمال ہوا ھے اور خواتین کی اس حالت ہی کے بارے میں استعمال ہوا ھے جسے حیض کہا جاتا ھے اور جو عدت کی گنتی کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ھے۔

تو ثابت ہوا کہ موصوف کے ترجمے میں ۲۲۲/۲ کے تحت درج شدہ بحث صرف ذاتی قیاس پر مبنی ھے۔ ترجمہ کو ذاتی عقائد کے تحت بگاڑنے کی ایک اور کوشش ھے جو تصریف الآیات کے اصول کے تحت درست ثابت نہیں ہوتی۔

عقیدہ نمبر ۱۰

- قرآن ان چیزوں کے بارے میں بات نہیں کرتا جو ثابت نہ کی جاسکیں یا ہمارے ادراک اور فہم سے بالاتر ہوں۔

- - - - - - - - - - -

موصوف کا یہ متواتر اعلان ھے کہ قرآن حیات بعد الموت کا ذکر نہیں کرتا نیز ایسی کسی بھی چیز کا ذکر نہیں کرتا جو عملی طور پر ثابت نہ کی جاسکے۔ موصوف کی تحریر سے ایک اقتباس:

"I am sure more than anything that ,
QURAN DOES'NT TALK OF THOSE THINGS WHICH CANT BE PROVED OR ARE BEYOND OUR COPREHENSION OR UNDERSTANDING.
26.11.2010"

ترجمہ: " میں کسی بھی چیز سے زیادہ اس پر یقین رکھتا ہوں کہ قرآن ان چیزوں کے بارے میں بات نہیں کرتا جو ثابت نہ کی جاسکیں یا ہمارے ادراک اور فہم سے بالاتر ہوں۔"

- اب یہ تو ظاہر ھے کہ روحانیت (metaphysics) یا روحانی زندگی کا تعلق اعلیٰ ترین شعوری اقدار سے ھے جو عملی طور پر ٹھوس شکل وصورت نہیں رکھتی۔
- اور ثبوت کے طور پر کسی مجسم عملی شکل میں سامنے نہیں لائی جاسکتی۔
- نیز اسی لیے مولائے کریم نے اسکی ماہیت سمجھانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ صرف اس کی موجودگی کی وثوق کی ساتھ "خبر" دی ھے۔۔۔
- اور اس پر ایمان لاکر اس کے حصول کے لیے کردار سازی کا لائحہ عمل دیا ھے۔
- اس کو سمجھنے کی یا جاننے کی تلقین نہیں کی۔
- پس موصوف کیونکہ کسی غیر مادی عنصر یا جذبے کو ماننے کیلئے تیار نہیں اس لیے مجسم مادی یا عملی ثبوت کے بغیر روحانیت کو بھی ماننے سے انکاری ھیں۔

۔ حتٰی کہ اللہ کی ذات کو بھی وہ " حکومت الٰہیہ " کی مادی شکل میں دیکھتے اور مانتے ھیں

- اور اسے لفظ " اللہ " کی عملی اور سمجھ میں آنے والی مادی تشریح اور معنی سمجھتے ھیں۔
- اللہ کا غیر مادی وجود ان کے نزدیک ثابت نہیں ھے کیونکہ اس کا ٹھوس وجود ان کے سامنے نہیں ھے۔ اور اس کے لیے موصوف " لا تدرکہ الابصار " { ۶/۱۰۳ } کا درست حوالہ بھی دے دیا کرتے ھیں۔ وہ کائنات کو خالق کے وجود کا سمجھ میں آجانے والا عملی ثبوت نہیں مانتے۔ یعنی اس کو خالق نہیں مانتے۔
- حیرت تو یہ ھے کہ انبیاء کے ناموں یا ذات کی بجائے انکی صفات پر توجہ مرکوز کرنے کا دن رات ڈھنڈورا پیٹنے والے یہ محترم دوست، اللہ کے معاملے میں یہ یکسر فراموش کر جاتے ھیں کہ اللہ کی ذات کا بھی تو اس کی صفات ہی سے ادراک کیا جاتا ھے؟ وہاں ذات کے انکار کے ایجنڈے کے لیے اسکی تجسیم کا مطالبہ کرنے کی بجائے صفات پر توجہ مرکوز کیوں نہیں کی جاتی؟ کیا وہاں پھر وہی مادہ پرستی یا دہریت کا ایجنڈا آڑے آجاتا ھے؟ خواہ دوہری پالیسی اور منافقت کا الزام ہی کیوں نہ لگ جائے؟
- انبیاء کی جن صفات پر موصوف کا ارتکاز ھے وہ کیسے آپ کی فہم میں آجاتی ھیں، جب کہ صفات مادی وجود نہیں رکھتیں اور ان کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا؟ یا کیا آپ کا ارتکاز ان صفات کو مادی وجود بخش دیتا ھے؟
- اگر نہیں، تو صفات کے مادی پیکر میں نہ ہونے کے باوجود آپ ان پر یقین کیوں کرتے ھیں؟ کیا یہ " ان دیکھے " { الغیب } ہی کی ایک شکل پر یقین نہیں ھے؟
- یا آپ صرف یہ کہ سکتے ھیں کہ انبیاء کی صفات کے روبہ عمل آنے کا آپ کو تاریخ سے ثبوت ملتا ھے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہو گا کہ آپ تو تاریخ کو نہ ہی تسلیم کرتے ھیں اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دینے کو تیار ھیں؟
- یہ کس قسم کے عقائد ھیں جن کے بارے میں آپ خود تضاد، تذبذب و دو عملی کا شکار ہیں؟ اس کے باوجود آپ ان غیر یقینی عقائد کو قرآن کے ترجمے کی اساس بنانے پر بضد ھیں؟

جہاں تک اللہ کے مادی وجود رکھنے کا تعلق ھے، تو کیوں کہ کوئی بھی مادی وجود اس ذات عالی کے بلند ترین سطحِ وجودیت اور بے پایاں قوت کی نمائندگی کر ہی نہیں سکتا اس لیے کوئی بھی مادی شکل یا روپ [form] اس کے شایانِ شان ہی نہیں ھے۔ اسی لیے وہ اپنے تیئں کسی مادی وجود میں ظاہر (manifest) نہیں کرتا۔ اور یہ اس کے وجود کے فہم سے انکار کی کوئی شعوری بنیاد نہیں ھے۔ تمام اعلیٰ شعوری / روحانی اقدار بھی تو دیکھی نہیں جا سکتیں، پھر بھی ہم ان کے وجود کا ادراک اور ان پر عمل کے اثرات و نتائج پر ایمان رکھتے ھیں۔ بغیر کسی مادی موجودگی کے۔ کیوں؟؟؟ فرماتے ھیں:

Logically there can not be a description of a thing in any book which you can not understand. As It will be useless to tell the description of God so is the case with his metaphysical world It will be useless to tell the details of that world .
So In my view (and I can be 100% wrong) there can not be any description of Life hereafter.

" ترجمہ: منطقی طور پر کسی بھی چیز کا ایسا کوئی بیان کسی بھی کتاب میں نہیں ہو سکتا جو آپ سمجھ نہیں سکتے ہوں۔ کیونکہ یہ ایک بے کار بات ہو گی کہ اللہ کے بارے میں کوئی وضاحت کی جائے اور ایسا ہی معاملہ فوق الفطرت دنیا کے بارے میں ہے کہ اس کی تفصیل بیان کرنا بے کار ہو گا۔ تو میرے نظریہ میں [اور میں سو فیصد غلط بھی ہو سکتا ہوں] قرآن میں حیات بعد الممات کا کوئی بیان نہیں ہو سکتا۔"

حیات بعد الممات تو اپنے عنوان کے تحت زیر بحث آ چکا ھے۔ اور موصوف اپنے نظریے میں، اپنی کشادہ دلی کے ساتھ، شاید ہنڈرڈ پرسنٹ غلط ثابت ہو چکے ھیں۔ یہاں مختصراً یہ بہتر ہو گا کہ چند ایسے امور کا خاموشی سے ذکر کر دیا جائے جو خود خالق نے بیان بھی کیے ھیں اور یہ بھی فرمایا ھے کہ " انسان انہیں سمجھ یا جان نہیں سکتا کیونکہ وہ اس کے علم، فہم یا ادراک سے بالاتر ھیں"، اور پھر اس قرآنی سند کے ساتھ فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ موصوف کی اس مفروضہ تھیوری کو کہاں تک صحیح یا غلط باور کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:-

{ا} آیت: ۲/۱۵۵: وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّـهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَـٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں مار دیے جاتے ھیں ان کو مردہ مت کہو۔ وہ تو زندہ ھیں لیکن تم اسے سمجھ نہیں سکتے۔

بالکل واضح ھے کہ ایک حقیقت بتائی بھی جا رہی ھے اور یہ بھی جتلایا جا رہا ھے کہ تمہاری سمجھ سے بالا ھے۔ البتہ موصوف نے اپنے ترجمے میں اس آیت کو اپنے ذاتی، مادی رنگ میں پیش کیا ھے۔

{۲} آیت: ۸۵/۱۷: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

ترجمہ: اور وہ تم سے پوچھتے ھیں / پوچھیں گے الروح [وحی] سے متعلق۔ کہ دو کہ الروح میرے پروردگار کے حکم سے متعلق ھے اور تم العلم، یعنی اس سے متعلقہ فہم وادراک، نہیں دیے گئے ہو ماسوائے ایک قلیل پیمانے کے۔

اس مقام پر بھی بالکل واضح ھے کہ ایک حقیقتِ ثابتہ کا ذکر ھے، اور یہ بھی کہا جا رہا ھے کہ تم کو اس کی نوعیت [یا طریقِ تنزیل وغیرہ] کی جانکاری نہیں دی گئی ھے۔

{۳} آیت: ۳۲/۱۷: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

ترجمہ: پس انسان نہیں علم رکھتا کہ ان کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان پوشیدہ رکھا گیا ھے ان کے اعمال کی جزا کے طور پر۔

یہاں بھی واضح ھے کہ یہ اطلاع بھی دی جا رہی ھے کہ انعامات تیار ھیں، لیکن یہ بھی بتایا جا رہا ھے کہ آپ انہیں جان نہیں سکتے۔ یہاں یہ بھی ثابت ہو تا ھے کہ انعامات اس دنیا سے متعلق ہرگز نہیں ھیں، ورنہ ان کا بیان کیا جا سکتا تھا اور یہ حیطۂ فہم وادراک میں آ سکتے تھے۔

{۴} آیت ۶۱-۶۰/۵۶: نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۔۔عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ

ترجمہ: ہم نے تمہارے درمیان الموت کے واقع ہونے کو ایک قانون بنا دیا ھے۔ اور اس کے بعد اس کام میں بھی ہم پیچھے نہیں رہینگے کہ ہم تمہارے وجود کی صورت / شکل بدل دیں اور تمہیں اس شکل میں زندہ کریں کہ جس کے بارے میں تم کوئی علم نہیں رکھتے۔

یہاں تو نہ صرف ایک اور حقیقت واضح کی جارہی ھے جس کے بارے میں آپ کوئی ادراک نہیں رکھتے، بلکہ انسان کی جسمانی موت اور حیاتِ آخرت کی ایک نئی ماہیت میں دوبارہ زندگی کا ثبوت بھی مہیا کیا جارہا ھے۔ غور فرمایئے، تینوں نکات موصوف کے تین بنیادی عقائد کی مکمل نفی کر رہے ھیں۔

{۵} آیات: ۲۱۶/۲، ۲۳۲/۲،۶۶/۳۔،،،،،،،،، یہ وہ چند مزید آیات ھیں جہاں حقائق کی طرف اشارے بھی دیے جارہے ھیں، اور ان کی بارے میں یہ بھی کہا جارہا ھے کہ اللہ تو ان کے بارے میں جانتا ھے لیکن آپ نہیں جانتے۔

مندرجہ بالا مستند حقائق کی روشنی میں قرآن کے جدید "مترجم" کی حیثیت سے موصوف کے درج ذیل بیان کے بارے میں قارئین خود فیصلہ کر سکتے ھیں:-

ترجمہ: " میں کسی بھی چیز سے زیادہ اس پر یقین رکھتا ہوں کہ قرآن ان چیزوں کے بارے میں بات نہیں کرتا جو ثابت نہ کی جاسکیں یا ہمارے ادراک اور فہم سے بالاتر ہوں۔"

اختتامیہ

کسے خبر تھی کہ لے کے ہاتھ میں چراغِ مصطفوی

لگاتا پھرے گا زمانے میں آگ شرارِ بولہبی

قرآن کے ساتھ جو مذاق آستانہ کے صفحات پر کیا جارہا ھے وہ اپنی نوعیت میں منفرد ھے۔ یہ وہ انوکھے جیالے ھیں جو قرآنی تراجم کو اپنی مغربیت زدہ ذہنیتوں کی تائید میں کسی بھی حد تک مسخ کرنے کو تیار بیٹھے ھیں۔ ضمیر فروشی، ایمان فروشی اور وطن فروشی ان کی اساس اور بدزبانی، دشنام طرازی اور الزام تراشی ان کے تخصص کا میدان ھے۔ یہ جماعت اس قابل ھے کہ تمام قرآنی حلقوں میں اس سے مکمل لاتعلقی اختیار کر لی جائے۔

قارئین، اس تحریر کے دوران ہی اطلاع ملی ھے کہ آستانہ پر ایک ایسی شخصیت کی باقائدہ کردار کشی کی مہم کا آغاز کر دیا گیا ھے جو حال ہی میں تاریخ میں اولین قرآنی "لیڈر" کی حیثیت سے ابھرے ھیں اور "جنت پاکستان پارٹی" کے نام سے پہلا قرآنی سیاسی پلیٹ فارم قائم کرنے کی دردمندانہ جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ھیں۔ یہ بے غرض و بے لوث محترم قرآنی شخصیت، کیلیفورنیا میں مقیم اور نمایاں مقامی حیثیت کے حامل، ڈاکٹر اثرالاسلام سید ھیں جو quaideazam.com کے نام سے قرآنی ویب سائٹ کے روحِ رواں ہیں۔ ابتدائی طور پر آستانہ پر انہیں آرمی اور آئی ایس آئی کا ایجنٹ قرار دے دیا گیا ھے اور ایسا تاثر دیا گیا ھے جیسے ان کے پاس فنڈز کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں۔ اس مذموم مہم کے پسِ منظر میں وہی ابلیسی ایجنڈا کارفرما ھے کہ ہر حقیقی قرآنی روح رکھنے والے کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے تاکہ "ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغبر کہیں"۔ اور کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ قرآنی لوگ واقعی کمرِ ہمت کس کر عملی میدان میں اتر آئیں۔ یعنی "ہم تو ڈوبے ھیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے"۔

اگرچہ امت مسلمہ اپنے زوال کی آخری حدوں کو چھو چکی ھے اور بنظرِ غائر اب مزید بگاڑ و فساد کی گنجائش نظر نہیں آتی، پھر بھی اس قعرِ مزلت میں کیا یہ سوچنا مناسب ہو گا کہ آستانہ جیسے صیہونی آلہ کاروں کو آزادی اظہار کے نام پر اپنی من مانی کرنے دی جائے؟ یہ چند دین فروش تخریب کاروں پر مشتمل مختصر گروہ کون سا نیا فساد یا ہولناک انقلاب برپا کر سکتا

ھے ؟ علم و دانش کے میدان کے یہ چند بونے جو موجودہ دور کی ذہانت و فراست کے کسی بھی معیار پر پورا نہیں اترتے، آخر قرآن کے ساتھ مزید کیا ستم ڈھا سکیں گے ؟ تضاد، تناقض، عدم مطابقت اور منافقت جیسے عیوب سے پُر ڈاکٹر صاحب موصوف کی تحریریں آخر کتنے لوگوں کو حلقہ بگوش کر پائیں گی؟ آج کی دنیا بہت ذہین ہو چکی ھے اور بین السطور سب کچھ پڑھ لیتی ھے۔ پسِ پردہ سب کچھ دیکھ لیتی ھے ۔ تین یا چار زبان دراز جنکے نزدیک کسی کی بھی شخصیت اور آبرو مندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور جو آستانہ بلاگ کے صفحات پر بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندوں کا رول ادا کر کے اپنے تئیں فاتح عالم تصور کر رہے ھیں، ماسوا اپنی بدبودار اصلیت کی نمائش کے اور کسی کا کیا بگاڑ لیں گے ؟ جن کے سربراہ کو قرآن سے قریبی مس کے دعویٰ کے باوجود اس حقیقت سے آگاہی نہ ہو کہ سب سے برا کھانا وہ ھے جو دین فروشی کے معاوضے سے کھایا جائے۔ اور سب سے بڑا ظلم وہ ھے جو کردار کشی کی صورت کیا جائے، وہ بالآخر خود بخود ایک نفسیاتی مریض کی موت اس طرح مر جائینگے کہ " تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں "۔

تاہم جیسا کہ اس عاجز نے ماقبل میں عرض کیا کہ آج ناممکن کو ممکن بنانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ یہ سب وسائل اور اثر و رسوخ کا کھیل ھے۔ یہ عاجز اس ادارے کے خارجی آقاوں سے، اور ان کے وسائل اور رسوخ سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ انہی آقاوں نے اپنے ہولناک گیم پلان کا اولین منصوبہ ۶۴۴ سے ۷۵۰ عیسوی کے دوران ایسی کمال ہوشیاری سے پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا کہ عقل دنگ رہ جاتی ھے۔ جب ہم وسائل کی بات کرتے ھیں تو تاریخ کے داخلی اور خارجی محور اور حوادث کا دقیق جائزہ یہ نتیجہ سامنے لاتا ھے کہ دین اللہ کے انہدام کی تمام کاروائیوں میں یہودی اکابرین کو امت پر حکمران انتظامیہ کا پورا تعاون اور تمام ممکنہ مراعات حاصل تھیں۔ اسی لیے انہوں نے ناقابلِ تردید کارہائے نمایاں انتہائی نظم کے ساتھ سرانجام دے ڈالے اور امت مسلمہ کو اس کے تمام ترورثے سے محروم کرنے میں کامیاب رہے۔

پس ہم سب کے لیے موجودہ صورتِ حالات ایک خاص مرحلہِ تفکیر، تدبیر اور تعمیل ہے۔ قبل اسکے کہ یہ اخلاق باختہ مادیت پرست بونے اپنے صیہونی آقاوں کے وسائل کے بل بوتے پر ایک خوفناک عنصر کی شکل اختیار کریں اور امت کو ایک نئے دینی بحران میں مبتلا کر سکیں، آیئے ہم سب قرآنی گروپ، ادارہ quaideazam.com کے تحت قائم کردہ خالص قرآنی سیاسی پلیٹ فارم " **جنت پاکستان پارٹی** " کے پرچم تلے متحد ہو کر اصل دین اللہ کے قیام کی عملی جدوجہد میں اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ پارٹی کی وطنِ عزیز کے آئین کے تحت رجسٹریشن اسی ماہ متوقع ھے، جس کے فوری بعد بھرپور تشہیری اور تنظیمی مہم کا اجراء کر دیا جائیگا۔ انشاءاللہ العزیز۔ آپ سب پر سلامتی ہو۔